قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی
دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زیدت معالیھم

استاذ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر

عبدالرزاق بنگلوری

نائب مدیر

مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری

ناشر

مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۳	شمارہ:۱۲	ماہ جون ۲۰۲۳ء	ماہ ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover)	6000/-
Full Page (Title Inner Cover)	5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages)	2000/-
Half Page (Inside Pages)	1000/-
Cuarter Page (Inside Pages)	500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست مضامین

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	عیدِ قرباں ایک سبق آموز تہوار	عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ حدیث	حج کی فرضیت اور کوتاہی پر وعید	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۵
اصلاحِ معاشرہ	ماحولیات کا تحفظ اور ہماری ذمہ داری	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۱۰
// // //	ہمسائے کے حقوق	مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری	۱۴
// // //	''حسد'' بہت ساری روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا مجموعہ	مولانا عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۱۹
// // //	قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان (قسط دوم)	مفتی محمد سلطان خان صاحب قاسمی	۲۱
// // //	قربانی اور عقلِ انسانی	مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی	۲۷
مقالات ومضامین	اکابر دیوبند کے علوم ومعارف	مولانا محمد اویس صاحب رشادی	۵۱
تحقیقات	ایک نماز قضاء کرنے پر دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال جہنم میں جلنے کا عذاب	مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی	۵۳

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کر سکتے ہیں، **جزاکم اللہ خیراً وأحسن الجزاء.**

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com
Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

اداریہ

عیدِ قرباں ایک سبق آموز تہوار

از: عبدالرزاق بنگلوری

دنیا بھر میں پُرانی قوموں سے یہ دستور رہا ہے کہ عیدِ قرباں کے دن جانوروں کے خون بہانے کو تقرب کا ذریعہ سمجھا گیا، اور حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے واقعہ میں اللہ کی رضاجوئی کی خاطر جنتی مینڈھے کی قربانی کروا کر عملاً اس دستور کو صحیح رُخ دیدیا گیا، اور اسلام میں بھی یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ مشروع؛ بلکہ مطلوب ومحمود قرار پایا، اور وسعت والوں پر خاص دنوں میں متعینہ جانوروں میں سے قربانی پیش کر کے تقربِ خداوندی کے حصول کو واجب قرار دیا گیا، اور اس پر اتنی تاکید کی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مَنْ وَجَدَ سِعَةً لِأَنْ يُّضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّيْ فَلَايَحْضُرْ مُصَلَّانَا'' (الترغیب والترہیب مکمل:۲۵۶) جو آدمی قربانی کی گنجائش رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

قربانی کے ایام میں دیگر عبادات کے مقابلے میں قربانی کا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے؛ چناں چہ اُمّ المؤمنین سیّدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''قربانی کے دن میں کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو خون بہانے (جانوروں کی قربانی کرنے) سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے، اور یہ قربانی کا جانور قیامت کے میدان میں اپنے سینگوں، بالوں، اور کھروں کے ساتھ آئے گا، اور قربانی میں بہایا جانے والا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے؛ لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو''۔ (ترمذی شریف:۱۴۹۳)

قربانی کا اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور شیطانی طاقتوں کو پوری طرح مسمار کرنا ہے، اِسی سے روح کو تقویت ملتی ہے اور تقویٰ پروان چڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کو جانور کا گوشت اور جانور کا خون ہرگز نہیں پہنچتا؛ بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے''۔ (سورۂ حج:۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی جب کہ اُس میں اخلاص ہو، اس کا اجر صد فیصد یقینی ہے، یہ ایک مقدس عبادت ہے جسے اللہ نے ہر صاحبِ نصاب پر لازم قرار دیا ہے، یہ اسلامی تعلیمات کا اہم ترین حصہ ہے، جس سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے، اس اچھے اور سچے عمل کے ذریعہ سے خون

بہا کر گوشت حاصل کرنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ اپنے ایمان اور تقویٰ کو مستحکم بنانا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کو خون اور گوشت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اسے ضرورت ہے اپنی نیک نیتی اور خلوص کی۔

عید کے موقع پر صاف صفائی کا خیال رکھیں:

انسانی طبیعت اپنے قُرب وجوار سے بہت جلد اثر قبول کرتی ہے اور اچھے یا بُرے ماحول کے اثرات انسانی زندگی پر ضرور مُرتّب ہوتے ہیں؛ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ جس گھر، محلّے اور علاقے میں رہتا ہے اُسے صاف ستھرا رکھنے میں اپنا کردار اَدا کرے، گھر، محلّے اور علاقے کا صاف ستھرا ہونا معاشرہ کے افراد کی نفاست، اچھے مزاج، پُر وقار زندگی اور خوبصورت سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ دینِ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو صاف ستھرا رہنے کا حکم دیا ہے، خواہ یہ صفائی جسمانی ہو یا روحانی، فرد کی ہو یا معاشرہ کی، گھر کی ہو یا محلّے کی، الغرض اسلام جسم وروح، دل ودماغ اور قُرب وجوار کو صاف ستھرا رکھنے کا دَرس دیتا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے:

’’اللہ عز وجل پاک ہے، پاکی کو پسند فرماتا ہے، ستھرا ہے، ستھرے پن کو پسند کرتا ہے، کریم ہے، کرم کو پسند کرتا ہے، جوّاد ہے، سخاوت کو پسند فرماتا ہے، توتم اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کے ساتھ صاف مشابہت نہ کرو‘‘۔ (ترمذی: ج۴/ص۳۶۵/، حدیث:۲۸۰۸)

حرفِ آخر:

آج کل مالدار یہ چاہتا ہے کہ میرا قربانی کا جانور مہنگا اور بہترین ہو، بالآخر وہ جانور کو خریدنے کے لیے لاکھوں روپئے خرچ کر دیتا ہے؛ تاکہ محلّہ اور شہر میں میرا نام اور میری شہرت ہو، تو ایسے لوگوں کی قربانی محض دکھلاوا بن کر رہ جائے گی، یہاں کسی کو دکھانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ اللہ کے یہاں ہماری قربانی کو قبول کروانا مقصود ہے، فضول خرچی سے تو ہر جگہ اجتناب کرنا لازم ہے، اللہ تعالیٰ ہم تمام کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

❑❖❑

درسِ حدیث

حج کی فرضیت اور کوتاہی پر وعید

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَاعَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْنَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾. (ترمذي: ١/١٦٧)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ایسے توشۂ سفر اور سواری کا مالک ہو جس سے بیت اللہ تک بآسانی پہنچ کر واپس آسکتا ہو تب بھی وہ حج نہیں کرتا ہے تو اُس کو اختیار ہے کہ وہ یہودیت کی موت مَرے یا نصرانی ہوکر مَرے (یعنی تارکِ حج گویا یہودی یا نصرانی ہوجاتا ہے، وہ ملّتِ اسلامیہ سے آزاد ہے، اور یہودیت کی موت مرنے یا نصرانیت کی موت مرنے کا سخت خطرہ ہے) اور یہ اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں فرمایا کہ: اللہ کے لیے لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہے، جو شخص اس تک رسائی کے لیے امن کے ساتھ زادِراہ اور سواری پر قادر ہو۔

تشریح:

حج؛ اسلام کا اہم ترین فریضہ اور عشقیہ عبادت ہے، اِس میں لاپرواہی کرنے والوں پر بہت سی وعیدیں آئی ہیں اور اس کا اہتمام کرنے والوں کے لیے بے شمار اجر وثواب کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ وہ سفرِ حج میں جانے اور آنے کے اخراجات کے لیے کافی بھی ہوجائے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس قدر دے جائے جو اس کی واپسی تک ان کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرسکے؛ نیز اس کے پاس ایسی سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے، چاہے وہ اپنی ہو یا کرائے کی ہو اور وہ اتنی استطاعت وقدرت کے باوجود بھی حج نہ کرے اور مرجائے تو وہ یہودی ونصرانی ہوکر مرتا ہے۔

اب اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس نے استطاعت وقدت کے باوجود اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس کی فرضیت ہی کا منکر ہو تو پھر یہودی اور نصرانی کی اس مشابہت کا تعلق کفر سے ہوگا، یعنی جس طرح یہودی ونصرانی کفر کی حالت میں مرتے ہیں، اِسی طرح وہ بھی کفر کی حالت میں مرے گا اور اگر فرضیت کا منکر ہوئے بغیر حج نہ

کرے تو اس مشابہت کا تعلق گناہ سے ہوگا کہ یہودی ونصرانی جتنے سخت گناہ کی حالت میں مرتے ہیں وہ بھی اتنے ہی شدید گناہ کا بار لیے موت کی نذر ہوگا، اگر چہ بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعید از راہِ تغلیظ وتشدید یعنی ترکِ حج کے گناہ کی شدت وہیبت ناکی کے اظہار کے لیے فرمائی ہے؛ لیکن بہرنوع ترکِ حج ایک ایسا گناہ ہے اور اتنا شدید جرم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی شدید اور سخت وعید بیان فرمانی پڑی کہ حج نہ کرنے والا یہودی یا نصرانی ہوکر مرتا ہے، العیاذ باللہ۔

حج کی فرضیت:

حج کی فرضیت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت سے فرمائی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○.

(پ:٤، سورۂ آلِ عمران، رقم الآیۃ:١٧)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اُس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

تشریح:

اس پاک گھر میں جمالِ خداوندی کی کوئی خاص تجلی ہے جس کی وجہ سے ادائے حج کے لیے اسے مخصوص کیا گیا؛ کیوں کہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر اَداء اُس جمیل مطلق اور محبوبِ برحق کے عشق ومحبت کے جذبہ کا اظہار کرتی ہے، پس ضروری ہے کہ جسے اُس کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی ومالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیارِ محبوب میں حاضری دے اور دیوانہ وار وہاں کا چکر لگائے۔ (فوائدِ عثمانیؒ)

لہٰذا ہر اُس شخص پر حج فرض ہوجاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت عطا فرمائی کہ جس سے وہ اپنے وطن سے مکۃ المکرّمہ تک آنے جانے اور وہاں کے اخراجات پر قادر ہو اور واپس آنے تک اہل وعیال اور بیوی بچوں کے مصارف بھی بآسانی برداشت کرسکتا ہو اور راستہ کی ساری رُکاوٹیں بھی ختم ہوں، مثلاً حکومت کی طرف سے سفر کی منظوری کا ویزا، سواری اور ٹکٹ کی فراہمی اور دشمن وغیرہ کے خطرات سے مامون ہونا وغیرہ، ان تمام سہولیات کے ساتھ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ حج فرض ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے خطاب فرمارہے تھے، ارشاد فرمارہے تھے: ''لوگو! اللہ تعالیٰ

نے تم پر حج فرض کیا ہے''، اتنے میں ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابسؓ ہے کھڑے ہوئے اور سوال کرنے لگے کیا ہر سال ہم پر حج فرض ہے؟ تین مرتبہ یہی سوال انہوں نے دہرایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہوجاتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے (مستطیع شخص پر) اور جو اس کے علاوہ کرنا چاہے وہ اس کے لیے نفل ہے۔

حج وعمرہ کی کثرت گناہوں کی معافی کا سبب ہے:

حج وعمرہ کثرت سے کرنے کے دو انعامات ہیں: (۱) پہلا انعام یہ ہے کہ پے در پے عمرہ اور حج کرنے والا شخص فکر سے بے نیاز ہوجاتا ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اور اس کے دل کو مستغنی فرمادیتے ہیں (۲) دوسرا انعام یہ ہے کہ وہ گناہوں سے دُھل جاتا ہے، پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسے آگ لوہے کے زنگ کو ختم کردیتی ہے عمرہ وحج کی کثرت گناہوں کو مٹادیتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةِ. (ترمذي: ۱/۱٦۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حج اور عمرہ پے در پے کرتے رہو، یعنی جب حج کرو تو ساتھ میں عمرہ بھی کرلیا کرو (حجِّ قران وحجِّ تمتع کیا کرو) اِس لیے کہ حج وعمرہ دونوں گناہوں اور محتاجگی وفقیری کو اِس طرح دُور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو دُور کرکے صاف کردیتی ہے اور حج مبرور (حج مقبول جو معصیت سے پاک ہوتا ہے) کا ثواب اور بدلہ جنت کا اعلیٰ مقام ہی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص رضائے الٰہی کے لیے حج کرتا ہو پھر اس میں فحش اور بُرائی کی بات نہ کرتا ہو، اور کسی قسم کی معصیت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو تو وہ حج کے بعد اپنے گھر گناہوں سے اِس طرح پاک ہوکر واپس لوٹے گا جس طرح پیدائش کے وقت ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاک دنیا میں آیا تھا''۔

اِسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوْقَ، پھر جس نے لازم کرلیا اُن میں حج تو بے حجاب ہونا

وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾.

(پ:۲، سورۂ بقرہ، رقم الآیة:۱۱۷، رکوع:۲۵)

جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اُس کو جانتا ہے۔ (شیخ الہندؒ)

حج کی فرضیت کا اعلان:

﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○﴾

(پ:۱۷، سورۂ حج، رقم الآیة:۲۷، رکوع:٤)

اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے اُونٹوں پر چلے آئیں راہوں دُور سے۔ (شیخ الہندؒ)

تشریح:

جب کعبہ تعمیر ہو گیا تو ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پکارا کہ لوگو! تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچادی (بلاتشبیہ جیسے آج کل ہم امریکہ یا ہندوستان میں بیٹھ کر لندن کی آوازیں سُن لیتے ہیں) جن کے لیے حج مقدر تھا، اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہ ہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پاپیادہ تکلیفیں اُٹھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے اتنی دُور سے سوار ہو کر آتے ہیں کو چلتے چلتے اُونٹنیاں تھک جاتی اور دُبلی ہو جاتی ہیں؛ بلکہ عموماً حاجیوں کو عمدہ سانڈنیاں کہاں ملتی ہیں، ان ہی سوکھے دُبلے اُونٹوں پر منزلیں قطع کرتے ہیں۔ یہ گویا اس دعاء کی مقبولیت کا اثر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی: ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ ○﴾ (سو رکھ بعضے لوگوں کے دل کو مائل ہوں اُن کی طرف اور روزی دے اُن کو میووں سے شاید وہ شکر کریں)۔

ابراہیم علیہ السلام کی آمد اور دعاء:

حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہ بگاہ ملکِ شام سے تشریف لایا کرتے تھے اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لیے دعا فرماتے کہ: خداوندا! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم ومحترم گھر کے پاس لاکر بسایا ہے تاکہ یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں، تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے؛ نیز اُن کی روزی اور دلجمعی کے لیے عیب سے ایسا سامان فرمادے کہ (غلّہ اور پانی جو ضروریاتِ زندگی ہیں اُن سے گزر کر) عمدہ میوے اور

پھلوں کی یہاں افراط ہوجائے؛ تاکہ یہ لوگ اطمینانِ قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکرگزاری میں لگے رہیں۔ حق تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں، آج تک ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی مشرق ومغرب سے کھنچ کھنچ کر وہاں جاتے ہیں، اعلیٰ قسم کے میوے اور پھلوں کی مکہ میں وہ افراط ہے جو شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہ ہو؛ حالاں کہ خود مکہ میں ایک بھی ثمر دار (پھل دار) درخت موجود نہ ہوگا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعاء میں ﴿اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ (کچھ آدمیوں کے دل) کہا تھا؛ ورنہ سارا جہاں ٹوٹ پڑتا۔

بہرحال وہاں ربِّ ذوالجلال کی رحمتیں اور برکتیں بپناہ موجود ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم تمام کو وہاں کی رحمتوں، برکتوں اور نعمتوں سے مستفید فرمائے اور بارہا وہاں کی حاضری صحت وایمان کی حالت میں نصیب کرے، آمین۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

ماحولیات کا تحفظ اور ہماری ذمہ داری

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، ترجمان وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اِس وقت عالمی سطح پر آلودگی ایک بہت بڑا انسانی مسئلہ بن کر اُبھرا ہے، اور افسوس کہ ہمارا ملک جو سائنس اور ٹکنالوجی میں اپنا قدم آگے بڑھا رہا ہے اور وِشوگُرو بننے کی کوشش کر رہا ہے، کی حالت بھی اس سلسلہ میں بہت قابلِ افسوس ہے، ۲۰۲۲ء کی رپورٹ کے مطابق ابھی ہمارا ملک ۱۸۰ ویں مقام پر ہے، اور ہم سارے ممالک پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال وغیرہ سے بھی پیچھے ہیں؛ اِس لیے یہ مسئلہ بے حد اہم اور فوری توجہ کا مستحق ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم بستیوں اور محلوں میں ماحولیاتی آلودگی کی صورت اور زیادہ خراب ہے، مسلمانوں کو بتانے کی ضرورت ہے کہ ماحول کا تحفظ صرف ایک انسانی مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ اسلام نے بھی اس کی تعلیم دی ہے۔

یوں تو ماحول میں کثافت پیدا کرنے والی بہت سی چیزیں خود قدرت نے انسانی اور حیوانی جسم میں رکھی ہیں، جیسے پیشاب، پائخانہ، مردار جسم سے پیدا ہونے والا تعفّن وغیرہ؛ لیکن عصرِ حاضر کی صنعتی اور مشینی ترقیوں نے ماحولیاتی کثافت کے اسباب میں نمایاں اضافہ کر دیا ہے، کارخانوں سے خارج ہونے والے فضلات، پٹرول، ڈیزل کے ایندھن، ایئر کنڈیشن اور ریفریجریٹر وغیرہ سے خارج ہونے والی گیسیں، ڈیزل اور پٹرول کے ایندھن پر مبنی ٹریفک کی کثرت، یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو انسان کو راحت وسہولت کے ساتھ ساتھ غیر معمولی اور غیر محسوس فضائی اور ماحولیاتی کثافت کا تحفہ بھی دے جاتی ہیں۔

نظامِ قدرت میں توازن کی ایک مثال یہ ہے کہ جہاں اس نے کثافت پیدا کرنے والے قدرتی وسائل عطا کیے ہیں، وہیں اس نے کثافت کو تحلیل کرنے اور انسانیت کو اس کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کی غرض سے کچھ قدرتی اور فطری ذرائع بھی پیدا کیے ہیں، جیسے سمندر، کہ اس کا کھارا پانی آلودگی کو جذب کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہے، اسی طرح درخت اور جنگلات، یہ جہاں انسان کو صاف وشفاف ہوا فراہم کرتے ہیں، وہیں فضا میں پھیلی ہوئی آلودگی کو جذب کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، خود وہ مٹی جس میں ہم رہتے بستے ہیں اور جس کی پشت پر ہزاروں سال سے کتنی ہی مخلوق شاد وآباد ہے، وہ بھی ٹھوس کثافت آمیز مادوں تک کو تحلیل کر دیتی ہے، جو مُردے اور مُردار زمین میں دفن کیے جاتے ہیں اور جو گندگیاں اور غلاظتیں زمین کی تہوں میں چھپا دی

جاتی ہیں، اگر زمین اپنا سینہ کشادہ کر کے ان کو قبول نہ کرے، تو نہ جانے روئے زمین پر کتنی آلودگی پیدا ہو جائے اور انسان وحیوان کے لیے جینا دوبھر ہو جائے۔

لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ ایک طرف قدرتی وسائل کا ایسا استعمال بڑھتا جا رہا ہے، جس سے ماحولیاتی آلودگی میں اضافہ ہو اور دوسری طرف درخت اور جنگلات جو ہمارے ماحول کی حفاظت کے لیے ایک بہت بڑا قدرتی عطیہ ہیں، انسان نہایت ہی بے رحمی سے ان کو کاٹتا اور ختم کرتا جا رہا ہے، بہت سے جنگلات ہیں جو اَب درختوں کے بجائے انسانوں کے جنگل بن گئے ہیں، ان جنگلات میں ایسے حیوانات بھی رہتے ہیں جو بعض کثافت پیدا کرنے والی اشیاء یا جانور کو اپنی غذا بناتے ہیں، جنگلات کا خاتمہ ان کے وجود کو بھی کم کرتا جاتا ہے۔

ان سب کے علاوہ قدرت نے فضا میں بھی ہمارے لیے ''اوزون گیس'' کی صورت میں ایک قلعہ تعمیر کر دیا ہے، یہ قلعہ سورج اور فضا کی طرف سے زمین تک آنے والی شعاعوں کی صفائی کا کام کرتا ہے، ان کی وجہ سے شعاعیں اس تناسب کے ساتھ زمین تک پہنچتی ہیں کہ عام حالات میں جسمِ انسانی کو ان سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا، اب اوزون کی یہ قدرتی پرت زمین سے خارج ہونے والی کثیف گیسوں کیوجہ سے رقیق ہوتی اور پھٹتی جا رہی ہے اور اس کی وجہ سے مختلف اَمراض خصوصاً جِلدی کینسر کے عام ہو جانے کا اندیشہ ہے، اصل میں تو یہ مغربی اقوام کی شامتِ اعمال ہے کہ انھوں نے اپنی صنعتی ترقی کے ابتدائی عہد میں اس طرف کوئی توجہ نہیں کی؛ لیکن اب جب مشرق کی ترقی پذیر اقوام نے ان ہی قدرتی وسائل کو روبہ کار لانا شروع کیا ہے، تو مغرب کو ماحولیاتی حفاظت کی بابت بڑی ''بے قراری'' سی پیدا ہو گئی ہے۔

بہر حال یہ کسی ایک قوم، ایک علاقہ اور ایک مذہب کے ماننے والوں کا مسئلہ نہیں؛ بلکہ یہ عالمی اور بین الاقوامی مسئلہ ہے، اسلام جو ایک عالمگیر، جغرافیائی سرحدوں سے ماوراء اور زمانہ وعہد کی قید سے آزاد مذہب ہے، ممکن نہیں کہ وہ اس اہم مسئلہ سے صرفِ نظر کرے، اسلام کی تعلیمات اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وارشادات سے اس سلسلے میں روشنی حاصل کی جا سکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسی بات سے منع فرمایا، جو ماحول کو گندہ اور آلودہ کرتی ہے اور انسانی سماج کے لیے روحانی یا جسمانی لحاظ سے مضرت رَساں ہے۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مقامات پر قضاءِ حاجت سے منع فرمایا: ایسی جگہ پر جہاں مسافرین سرِ راہ پڑاؤ کرتے ہوں، راستے پر اور درخت کے سایہ میں۔ (ابوداؤد: ۶۲:۱۴۱) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ قضاءِ حاجت کے لیے آبادی سے دُور کی جگہ کا انتخاب کیا جائے؛ بلکہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے لیے مکہ سے

قریب دو میل کی دُوری پر واقع مغمس نامی مقام پر تشریف لے جاتے تھے۔ (مجمع الزوائد:۱/۲۰۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی برتن میں پیشاب کر کے اُسے گھر میں رکھا جائے۔ (طبرانی عن عبداللہ بن یزید)

پانی کی حفاظت کی خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی؛ اِسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہرے اور رُکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتے ہوئے پانی میں بھی پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مجمع الزوائد:۴/۲۰۴) اور خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام اور غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت فرمائی۔ (ابوداؤد و ترمذی عن عبداللہ بن مغفل)

جن چیزوں سے ماحول آلودہ ہوتا ہے اُن کو زمین میں دفن کرنے کی ہدایت دی گئی، اسلام میں مُردوں کی تدفین کا نظم قائم کیا گیا، جو حیوانی مُردہ اجسام سے پیدا ہونے والی آلودگیوں سے حفاظت کا سب سے مؤثر طریقہ ہے، اسلام نے جیسے مسلمانوں کی تدفین کا حکم دیا ہے، اِسی طرح غیر مسلموں کی نعش کو بھی دفن کرنے کی ہدایت کی ہے، پھر غور کیجیے کہ قرآنِ مجید نے ہابیل وقابیل کے واقعہ میں کوے کو زیرِ زمین دبانے کا ذکر کیا ہے۔ (المائدہ:۳۱) یہ گویا اِس بات کا اشارہ ہے کہ مُردار کو بھی یوں ہی نہ چھوڑنا چاہیے؛ بلکہ ان کو بھی مٹی کے نیچے دبا دینا چاہیے اور کچھ اسی پر موقوف نہیں، دوسرے اجزاءِ جسم جن سے تعفن پھیل سکتا ہو اور آلودگی پیدا ہوتی ہو، اُن کو بھی دفن کر دینے کا حکم دیا گیا ہے؛ چنانچہ حضرت اُمِّ سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کو دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ (مجمع الزوائد: ۵/۹۲، بحوالہ طبرانی) اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک سے نکلنے والی آلائش کو دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ (مسند بزار، مجمع الزوائد: ۸/۱۱۴) اسی لیے فقہاء نے خواتین کو ماہواری کے زمانہ کے آلودہ کپڑوں کو دفن کرنے کا حکم دیا۔

درخت کی حفاظت کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی ہدایت دی اور شجر کاری کی ترغیب بھی دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کوئی درخت یا کھیتی لگائے اور اس میں سے انسان، درندہ، پرندہ یا چوپایہ کھائے تو وہ اُس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔ (بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ)

اسی لیے بعض صحابہؓ خاص اہتمام سے درخت لگایا کرتے تھے، امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ خاص اسی نیت سے درخت لگایا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد:۴/۶۷-۶۸) اسی لیے اسلام میں اُفتادہ سرکاری اَراضی کے بارے میں یہ اُصول مقرر کیا گیا کہ جو شخص بھی اُس میں کاشت کرنا چاہے، حکومت کی اجازت سے کر سکتا ہے، اگر کوئی شخص ایسی اَراضی قبضہ میں لے کر پھر اُسے آباد کرنا چھوڑ دے، تو زمین اُس سے لے کر دوسرے کے حوالہ کر دی جائے گی؛ تاکہ وہ اُس میں کھیتی کرے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ:۴/۳)

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجر کاری اور زراعت کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بات کو ناپسند فرمایا کہ درخت بے ضرورت کاٹے جائیں، عرب میں زیادہ تر ببول اور بیری ہی کے درخت ہوا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیری کے درخت کے بارے میں فرمایا کہ اس کو کاٹنے والے اوندھے منھ جہنم میں جائیں گے۔ (مجمع الزوائد: ۱۱۵۱/۸) ایک ضعیف حدیث میں ایسے شخص پر لعنت بھی بھیجی گئی ہے۔ (طبرانی عن علیؓ) یہاں تک کہ جنگ میں بھی اسلام نے کھیتیوں اور درختوں کو جلانے اور نقصان پہنچانے کو ناپسند فرمایا ہے، قرآنِ مجید نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو کسی علاقے پر غلبہ پانے کے بعد وہاں کے کھیتوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ (البقرہ: ۲۰۵) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو خاص طور پر درختوں اور کھیتوں کے برباد کرنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی عن ابی بکر الصدیقؓ)

یہی حال حیوانات کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت، محض شوقیہ شکار کرنے اور حیوانات کے ہلاک کرنے کو ناپسند فرمایا ہے، آج کل جو مضر صحت گیسیں، مشینوں اور موٹروں سے خارج ہوتی ہیں ظاہر ہے عہد نبوی میں یہ وسائل انسانی تصرف میں نہیں آئے تھے؛ لیکن اس سلسلے میں بھی احادیث میں اشارہ موجود ہے، خواہ مخواہ چراغ کے استعمال کو پسند نہیں فرمایا گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت چراغ جلانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ (طبرانی، مجمع الزوائد: ۱۱۲/۸) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت چراغ کو گُل کرنے کا حکم فرمایا۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد: ۱۱۱/۸) ظاہر ہے کہ اس تدبیر سے تیل کا دھواں کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام میں اشیاء کے برتنے اور استعمال کرنے کے سلسلے میں دو بنیادی اُصول بتائے گئے ہیں۔ ایک: یہ کہ کسی بھی شئے کا اس طرح استعمال نہ کیا جائے کہ اس سے دوسروں کو نقصان پہنچے ''لاضرر ولاضرار'' دوسرے: جن چیزوں کا استعمال جائز ہے اور جو وافر مقدار میں آدمی کو فراہم ہوں اُن کو بھی بے محل استعمال نہ کیا جائے اور نہ ضرورت سے زیادہ استعمال کیا جائے، اسی کو قرآن کی زبان میں ''اسراف وتبذیر'' سے تعبیر کیا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی تک کو ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے سے منع فرمایا اور وضوء وغسل میں بھی محتاط طریقے پر پانی کے استعمال کا حکم فرمایا، جو شریعت پانی میں اسراف کو گوارا نہیں کرتی ہو، وہ پٹرول، ڈیزل، کیروسین اور گیس وغیرہ جیسے قیمتی قدرتی وسائل کے استعمال کو کیوں کر گوارا کر سکتی ہے، جس میں وسائل کا ضیاع بھی ہے اور دوسروں کے لیے مضرت اور نقصان بھی، یہ بنیادی اُصول ہیں، جن سے ماحول کو آلودہ کرنے اور نقصان پہنچانے والی اشیاء کے غیر محتاط اور بے جا استعمال کا حکم جانا جا سکتا ہے۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

ہمسائے کے حقوق

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عفان صاحب منصور پوری (صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

زندگی صرف اپنے میں مگن رہنے کا نام نہیں، اصل زندگی یہ ہے کہ انسان جس طرح کی راحت وعافیت کا طالب اپنے لیے ہوتا ہے، ایسے ہی دوسروں کو بھی راحت پہنچانے کا جذبہ اپنے دل میں رکھتا ہو؛ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"ليس المومن الذي يشبع وجاره جائع"**. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

وہ آدمی مومن ومسلمان کہے جانے کے لائق نہیں کہ جو سیر ہوکر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہ جائے، اگر اس کو یہ احساس ہے کہ میرے پڑوسی کے یہاں ایک وقت کھانے کا سامان نہیں تو اس کی ذمہ داری ہے کہ جیسے وہ اپنے لیے کھانے کا نظم کررہا ہے ایسے ہی اپنے پڑوسی کے لیے بھی کھانے کا بندوبست کرے، اگر ایک روٹی ہی اس کو میسر ہے تو اس کے دو ٹکڑے کرکے ایک پڑوسی کے یہاں ضرور بھیجے، یہ اس کی ایمان کی علامت اور نشانی قرار دی جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: **يا أباذر إذا طبخت مرقة فاكثر ماء المرقة وتعاهد جيرانك.** (مسند احمد: ۵/۱۶۱) ابوذر! جب تم اپنے گھر میں شوربا بناؤ تو اُس میں پانی بڑھا دیا کرو اور پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو، یعنی اگر تمہیں اس کا احساس ہو کہ پڑوسی کو کھانے کی ضرورت ہے تو تم اپنے یہاں کھانے کی مقدار اتنی بڑھا دو کہ تم اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ پڑوسی کی ضرورت کو بھی پورا کرنے والے بن جاؤ۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حکم کو جمہور نے استحباب پر محمول کیا ہے۔ علامہ علائیؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ارشادِ گرامی کے ذریعہ آسانی کے ساتھ خیر کا اضافہ کرنے پر تنبیہ کی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت بڑھانے کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ پانی میں اضافہ کا حکم دیا جو کسی کے لیے مشکل نہیں۔ علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بھنے ہوئے سوکھے گوشت کے مقابلے میں شوربے والے گوشت کے بہتر ہونے کا بھی پتہ چلا کیوں کہ اس صورت میں انسان کے لیے اپنے گھر والوں اور دیگر ضرورت مندوں کی ضرورت پورا کرنا آسان ہوگا۔ (فیض القدیر: ۱/۳۹۷)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **خیر الأصحاب عند اللہ تعالیٰ خیرھم نصاحبہ وخیر الجیران عند اللہ تعالیٰ خیرھم لجارہ.** (اخرجہ الترمذي البر والصلة/في حق الجوار: ١٩٤٤) ساتھیوں میں اللہ کی نگاہ میں سب سے بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے والا ہو، اور پڑوسی میں اللہ کی نگاہ میں سب سے بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہو، اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آئے گی کہ سب سے بُرا انسان وہ ہے جو اپنے ساتھیوں اور پڑوسیوں کے ساتھ بُرا معاملہ کرنے والا ہو۔

ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر حق: (۱) سلام میں پہل کرے (۲) لمبی گفتگو نہ کرے (۳) اس کے ذاتی احوال کے سلسلہ میں زیادہ دریافت نہ کرے (۴) اس کی غلطیوں کو نظر انداز کردے (۵) چھت پر چڑھ کر پڑوسی کے گھر کی بے پردگی نہ کرے (۶) اس کی دیوار پر کڑی رکھ کر اس کے لیے تنگی نہ پیدا کرے (۷) اس کے گھر تک جانے والے راستے میں تنگی پیدا نہ کرے (۸) اس کی پردہ پوشی کرے (۱۰) اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس کی مدد کرے (۱۰) اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر کی نگرانی سے غافل نہ ہو (۱۱) کان لگا کر اس کی باتیں نہ سنے (۱۲) اس کے گھر کی عورتوں پر نگاہ نہ ڈالے (۱۳) اس کے خادم کو مسلسل نہ دیکھے (۱۴) دورانِ گفتگو اس کے بچوں سے نرمی کا معاملہ کرے (۱۵) دینی اور دنیوی جن معاملات میں وہ ناواقف ہو تو اس کی رہنمائی کرے۔

(البريقة شرح الطريقة بحواله الدرالمنضد: ٤٣٨/١)

سعادت کی چار چیزیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں: **من سعادة المرء المسلم المسكن الواسع والجار الصالح والمركب الهنئ.** (مسند احمد:٤٠٧/٣) فرمایا کہ: مسلمان کی سعادت اور نیک بختی میں سے پہلی چیز گھر کا کشادہ ہونا ہے، رہنے والوں کے اعتبار سے گھر ایسا وسیع ہو جس میں آرام اور راحت کے ساتھ انسان زندگی گزار سکے، تو جس انسان کو اللہ نے ضرورت کے بقدر رہنے کا مکان مرحمت فرمایا ہو تو یہ اللہ کا بڑا کرم ہے اور اس کی سعادت کی نشانی ہے، ان لوگوں سے اس نعمت کی قدر پوچھیے کہ جن کے پاس مکان نہیں، رہنے کے لیے کمرہ نہیں، جن کے پاس اہل وعیال کو ساتھ رکھنے کے لیے جگہ نہیں، ان سے پوچھیے کہ چھوٹا سا گھر بھی اللہ اگر کسی کو عطا فرمادے تو یہ کتنا بڑا انعام اس مالک کا ہوتا ہے، اور انسان کے لیے کتنی بڑی سعادت ہوتی ہے۔

اچھا پڑوسی

دوسری چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اچھے پڑوسی کا میسر آجانا، نیک صالح پڑوس میں رہنے والے خاندان کا مل جانا، یہ بھی انسان کی نیک بختی اور سعادت کی نشانی ہے، اللہ نے اچھے پڑوسی کی شکل میں اس کو نعمت عطا فرمائی؛ ورنہ پڑوسی اگر بُرا ہو تو ناک میں دَم کر دیتا ہے، جینا حرام کر دیتا ہے، راتوں کی نیند خراب کر دیتا ہے، اور نہ جانے کس کس طرح کی پریشانیوں کا سامنا بدخلق پڑوسی کی وجہ سے انسان کو کرنا پڑتا ہے، اچھا پڑوسی اگر میسر آجائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔

سبق آموز واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں رہنے والے یہودیوں میں سے ایک یہودی نے اپنا مکان بیچنا چاہا؛ مگر اس نے جو قیمت لگائی تو وہ اس علاقہ میں موجود مکانات کے مقابلے میں دوگنی تھی، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم اپنے مکان کی اتنی قیمت کیوں لگا رہے ہو، تمہارے مکان کے رقبہ کے برابر دوسرا مکان تو اس سے کم قیمت میں مل رہا ہے، تو وہ یہودی بولا: میں نے کچھ سوچ کر اپنے مکان کی یہ قیمت لگائی ہے اور جب میں تم کو وجہ بتاؤں گا تو تم خود میری تائید کروگے اور یہ نہیں کہوگے کہ میں نے مکان کی قیمت زیادہ لگائی ہے، لوگوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ کہنے لگا کہ اصل قیمت تو مکان کی وہی ہے جو اس علاقہ میں اس طرح کے دوسرے مکان کی لگ رہی ہے؛ لیکن میں نے اضافی قیمت جو لگائی ہے وہ عبداللہ بن مبارکؒ کے پڑوس کی ہے، تمہیں اس سے بہتر، بڑا اور کشادہ مکان کہیں اور مل سکتا ہے؛ لیکن عبداللہ بن مبارک جیسا پڑوسی تمہیں تلاشِ بسیار کے بعد بھی نہیں میسر ہوسکتا، میں جانتا ہوں کہ وہ پڑوسیوں کے ساتھ کیسا اچھا برتاؤ کرنے والے ہیں، ان کے یہاں رہنے کی وجہ سے کیسی عافیت وسکون ہمیں میسر ہے؛ لیکن میری مجبوری ہے کہ میں یہاں سے جا رہا ہوں؛ لیکن جو چیز میں چھوڑ کر جا رہا ہوں اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا، اس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔

اب آپ تصور کیجیے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا کیا کردار رہا ہوگا پڑوسیوں کے ساتھ، مسلمان نہیں؛ بلکہ غیر مسلم پڑوسی آپ کے عمل سے اتنا متاثر ہے، یہی شان ہے سچے ایمان والوں کی، آج افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام وایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ سب سے تعلقات اچھے ہیں؛ لیکن پڑوسیوں کے ساتھ معاملات عمومی طور پر اچھے دیکھنے کو نہیں ملتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی نیک بختی کی علامات میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اللہ اس کو اچھا پڑوس عطا فرمادے۔

آرام دہ سواری

تیسری چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی انسان کی سعادت ونیک بختی کی علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آرام دہ سواری مرحمت فرمادیں؛ اس لیے کہ انسان اس دنیا میں مسافر ہے، اپنی ضروریات کے لیے اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا پڑتا ہے، سواری کا آرام اگر اس کو نصیب ہوجائے تو آنا جانا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔

نیک صالح بیوی

چوتھی چیز جس کا تذکرہ بعض روایات میں ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ایک انسان کی سعادت ونیک بختی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، نیک صالح اور اطاعت گزار بیوی کا مل جانا، یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ ہم مزاج اور نیک بیوی اس کو نصیب ہوجائے، تو آدمی بہت سی فکروں سے محفوظ ہوجاتا ہے، اور عافیت کی زندگی گزارنے کا موقع اللہ اس کو مرحمت فرمادیتے ہیں، اور اگر شوہر وبیوی کے مابین ہم آہنگی نہ ہو، مزاج میں یکسانیت نہ ہو، ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے، ایک دوسرے کی خواہشات کو اپنی خواہش سمجھنے والے نہ ہوں تو پھر لاکھوں اور کروڑوں کے مالک ہونے کے باوجود بھی سکون وعافیت کا گھر سے جنازہ نکل جاتا ہے، پھر تو گھر میں جی نہیں لگتا، شوہر کا اکثر وقت گھر سے باہر گزر جاتا ہے، گھر جانے کے تصور سے اس کی ٹینشن بڑھنے لگتی ہے کہ میں گھر جاؤں گا تو پھر ناراضگی شروع ہوجائے گی، لڑائی شروع ہوجائے گی، دونوں طرف سے یہی صورتِ حال ہوتی ہے؛ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا کی بہترین پونجی اور بہترین چیز سرمایۂ نیک صالح بیوی کا میسر ہونا ہے، تو یہ چار چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی نیک بختی کی علامات کے طور پر بیان فرمائی ہیں۔

اسی طرح ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بالمقابل ارشاد فرمایا: **أربع من الشقاوة: الجار السوء والمرأة السوء والمسكن الضيق والمركب السوء.** (ابن حبان) چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں: (۱) بُرا پڑوسی (۲) بُری بیوی (۳) تنگ مکان (۴) بے آرام اور تکلیف دہ سواری۔

بُرے پڑوس سے پناہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا فرمایا کرتے تھے: **اللّٰهم إني أعوذبك من جار السوء في دار المقام فإن جار الدنيا يتحول.** (اخرجه ابن أبي شيبه: ۳۵۹/۸) الٰہ العالمین! میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے وطن میں

بُرے پڑوسی سے؛ کیونکہ وطن کے علاوہ اگر عارضی طور پر انسان کا کہیں آنا جانا ہوتو ایسا پڑوس زیادہ دیرپا نہیں ہوتا وہ تو اَدلتا بدلتا رہتا ہے، کبھی کوئی آ گیا کبھی کوئی آ گیا؛ لیکن اصل وطن اور گھر جو انسان کا ہوتا ہے وہاں اصل پڑوسی ہوتے ہیں وہ شروع سے اخیر تک کے لیے ہوتے ہیں، جو عموماً ساتھ رہتے ہیں تو دارالمقام اس کو کہتے ہیں جہاں انسان کی مستقل رہائش ہے، وہاں پر بُرے پڑوسی سے خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ چاہی ہے۔ ممکن ہے یہ دعاء پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت کی ہو جب ابولہب اس کی بیوی اور بچوں نے پڑوس رہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلمکو بہت ستایا یہاں تک کہ آپ کے دروازے کے سامنے لید و گوبر اور گندگی پھینک دیا کرتے تھے۔

قیامت کی علامت

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی، ان سے ناراضگی اور ان کے ساتھ اختلاف قیامت کے قریب ہونے کی علامت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لاتقوم الساعة حتى يقتل الرجل جاره وأخاه وأباه.** (أخرجه أبويعلى: ٧٢٣٤) کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی کہ پڑوسی پڑوسی کو قتل کرنے کے در پر نہ ہو جائے، بھائی بھائی کو مارنے کے در پر نہ ہو جائے، بیٹا باپ کو نقصان پہنچانے کے در پر نہ ہو جائے اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، اور جب یہ دیکھا جانے لگے کہ پڑوسی پڑوسی کو نقصان پہنچا رہا ہے، بھائی بھائی کو نقصان پہنچا رہا ہے، اولاد والدین کو نقصان پہنچا رہی ہے تو یہ نشانی ہے اس بات کی ہے کہ اب دنیا کا زمانہ ختم ہونے کو ہے اور قیامت کا وقت قریب ہے۔ **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ لاتذهب الدنيا حتىٰ يأتي على الناس يوم لايدري القاتل فيم قتل ولاالمقتول فيم قتل.** (رواه مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا اس وقت تک فناء نہیں ہوگی جب تک ایسا زمانہ نہ آ جائے کہ قاتل کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس کو قتل کیوں کیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی کی روشنی مین جب ہم اپنے سماج و معاشرہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب اس دنیا کی عمر زیادہ نہیں رہ گئی ہے، وہ وقت قریب ہے کہ جب نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا، اور قیامت کا سامنا انسان کو کرنا پڑے گا، اللہ کی بارگاہ مین پیشی ہوگی اور پھر اعمال کی بناء پر فیصلہ ہوگا کہ کہاں انسان کو جانا ہے۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

''حسد'' بہت ساری روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا مجموعہ

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

قرآنِ کریم کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا تو تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں، اس وقت ابلیس بھی وہاں موجود تھا، جو فرشتوں کا سردار تھا اور بڑا عبادت گزار بھی، تمام فرشتوں نے حکمِ الٰہی کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا؛ لیکن ابلیس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، تُو نے آدم کو مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے پیدا کیا۔ روایتوں میں ہے کہ ابلیس کے اِس انکار کا بنیادی سبب حضرت آدم علیہ السلام سے حسد تھا، اس کو یہ احساس ہوا کہ میں اللہ کی اتنی عبادت کرتا ہوں؛ اِس لیے زمین پر خلافت مجھے ملنی چاہیے تھی۔

قرآنِ کریم کے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں نے اللہ کے حضور میں اپنی اپنی قربانی پیش کی، ہابیل نے ایک دُنبہ قربان کیا اور قابیل نے کچھ ذرعی پیداوار پیش کی، اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی نشانی یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی اور قربانی کو جلا دیا کرتی تھی؛ چناں چہ آگ اُتری اور اُس نے ہابیل کی قربانی کو جلا کر ختم کر دیا جب کہ قابیل کی قربانی وہیں پڑی رہ گئی، یہ دیکھ کر قابیل کو اپنے بھائی ہابیل سے حسد ہوا اور اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ روئے زمین کا یہ پہلا قتل تھا جس کا بنیادی سبب حسد تھا۔

مذکورہ بالا دونوں واقعات کے تناظر میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ آسمان اور زمین پر سب سے پہلا جو گناہ ہوا وہ حسد کا گناہ تھا۔ حسد کیا ہے؟ کسی شخص کے پاس کسی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ وہ نعمت اُس سے چھین لی جائے اور مجھے مل جائے۔ اُس کے بالمقابل ایک چیز ہے رشک کرنا، یعنی کسی شخص کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ مجھے بھی وہ نعمت مل جائے اور اُس شخص کے پاس بھی باقی رہے، اُس کی اجازت ہے، جب کہ حسد کرنا حرام ہے۔ حسد انتہائی بُری خصلت اور بدترین بیماری ہے جو انسان کے دین وایمان اور اس کے اخلاق وکردار کو تباہ کر دیتی ہے، حسد کے نتیجے میں بغض، کینہ، نفرت اور دشمنی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کی سورۂ فلق میں اہلِ ایمان کو سکھایا گیا ہے کہ وہ حاسد کے شر سے پناہ مانگیں جب کہ وہ حسد کرنے لگے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں حسد کی خرابیوں کو ذکر فرمایا اور اس سے بچنے کی تاکید کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جس قدر مال کی حرص اور حسد مسلمان کے دین کو برباد کرنے والا ہے اور حسد نیکیوں کو اِس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے''۔ (الترہیب والترغیب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک دوسر سے بغض نہ رکھو اور نہ حسد کرو اور نہ غیبت کرو اور اللہ تعالیٰ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے''۔ (صحیح بخاری)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں گزشتہ قوموں کی بیماریاں داخل ہوں گی، جن میں سے حسد اور بغض بھی ہے اور یہ مونڈ دینوالی ہوں گی، یہ بال نہیں؛ بلکہ دین کا صفایا کر دینے والی ہے، اُس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم اُس وقت تک جنت میں نہیں جاؤ گے، جب تک کہ مؤمن نہ بن جاؤ، اور اُس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتے، جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں، اگر تم اُسے کرو تو آپس میں محبت پیدا ہوگی؟ وہ یہ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو''۔ (جامع ترمذی)

حسد کا نقصان صرف اُس شخص کو نہیں پہنچتا جس سے حسد کیا جائے؛ بلکہ حسد خود حاسد کے حق میں بھی دینی اور دنیاوی لحاظ سے انتہائی مضر چیز ہے۔ صوفیائے کرام نے یہ بات لکھی ہے کہ جس سے حسد کیا جائے اُس کو بعد میں نقصان پہنچتا ہے جب کہ حسد کرنے والے کو سب سے پہلے نقصان پہنچتا ہے۔

بعض صوفیائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہر گناہ کے نتیجے میں ایک مرتبہ آگ میں جلنا پڑے گا؛ لیکن حسد کرنے والے کو دوزخ کی آگ کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی حسد کی آگ میں جلنا پڑتا ہے۔ گویا حسد ایک ایسا زہر ہے جسے انسان خود پیتا ہے؛ لیکن تمنا دوسروں کے مرنے کی کرتا ہے۔ حاسد کو جواب نہیں دینا چاہیے؛ اِس لیے کہ جواب دینا اُس کے حسد کو بڑھاوا دینا ہے؛ البتہ حاسد کے حسد سے اللہ کی پناہ بھی طلب کرنی چاہیے اور حفاظت کی تدبیر بھی! اسی کے ساتھ حسد جیسی بدترین بیماری سے بچنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے؛ اِس لیے کہ یہ کوئی ایک بیماری نہیں ہے؛ بلکہ بہت ساری روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا مجموعہ ہے، جس کے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔

حسد کے چند اہم اسباب ہیں جن میں بغض وعداوت، تکبر، بڑا بننے کی خواہش، حبِّ جاہ اور احساسِ کمتری جیسی صفات شامل ہیں۔ حسد کے نتیجے میں انسان بہت سارے گناہوں اور بُرائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، حسد ہی

کے نتیجے میں قومِ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے محروم رہی۔ حسد ہی کے سبب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں ڈال کر قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ آج بھی حسد کے نتیجے میں بہت سارے لوگ ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کے مرتکب ہورہے ہیں۔ معاشرے میں اگر کسی شخص نے کسی لحاظ سے ترقی کرلی یا کسی شعبے میں وہ کامیاب ہوگیا تو جہاں بہت سارے افراد اُس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور برکت کی دعا دیتے ہیں، وہیں بعض بدبخت لوگ حسد میں مبتلا ہوجاتے ہیں؛ حالاں کہ یہ اللہ رب العزت کی تقسیم ہے کہ اس نے ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق نعمتوں سے نوازا ہے۔ ؎

تقسیم کیا ہر شخص کو قسامِ ازل نے
جو شخص بھی جس چیز کے قابل نظر آیا

حسد کرنے والا گویا اللہ کی تقسیم پر اعتراض کرتا ہے؛ اِس لیے حسد اور اس کے اسباب سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر کسی شخص کی کامیابی اور ترقی دیکھ کر دل میں حسد کے جذبات پیدا ہونے لگیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص سے ملاقات کرکے برکت کی دعا دی جائے اور اُس کی تعریف کی جائے، ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت سے یہ دعا بھی کرے کہ اللہ! مجھے حسد جیسی بیماریوں سے محفوظ فرمائے، اِس طرح حسد سے حفاظت ہوگی۔

اصلاحِ معاشرہ (قسط دوم)

قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان

ازقلم: مفتی محمد سلطان خان قاسمی، امام وخطیب مسجد ابوبکر صدیق، ڈی جے ہلی، بنگلور

گزشتہ مضمون میں یہ مذکور ہوا تھا کہ ہر کس وناکس اور کوئی فردِ بشر گناہ سے خالی نہیں ہے؛ لہٰذا ہر ایک کو توبہ واستغفار کرنا لازم وضروری ہے؛ نیز حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بھی پیش کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ سوسو مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ (رواہ ابن ماجۃ: ص/۲۷۰ باب الاستغفار)

اس دوسری قسط میں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں کے گناہ بالکل معاف کردیتے ہیں اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بشارت سنائی ہے: ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ''. (رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان، مشكاة: ص/٢٦٠، حديث:٢٣٦٣)

ان ساری بشارتوں کے باوجود انسان توبہ کرنے میں ٹال مٹول کیوں کرتا ہے؟ اور توبہ میں آج کل کا بہانہ بنا کر گناہ پہ گناہ کرتا چلا جاتا ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ انسان توبہ کرنے میں اتنا غافل بن چکا ہے؟ اور اس غفلت اور ٹال مٹول کا علاج کیا ہے؟ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام امتِ مسلمہ کے نفع کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان تمام وجوہات کو بیان کیا ہے اور ان کا علاج بھی بتلایا ہے اور اپنی اس جامع تحریر میں گویا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غافل لوگوں کو جھنجھوڑا ہے۔

گناہ پر اصرار ہونے اور توبہ نہ کرنے کی پہلی وجہ اور اُس کا علاج

''**اوّل**: یہ کہ گناہ پر جو سزا اللہ تعالیٰ نے تجویز کی ہے وہ گناہ کرتے ہی دست بدست نہیں ملا کرتی اور ظاہر ہے کہ جس فعل کا نتیجہ دست بدست نہیں ملتا اُس کی وقعت نہیں ہوا کرتی؛ لہٰذا گناہ پر اصرار ہونے لگتا ہے۔ اِس کا علاج یہ ہے:

کہ سوچنا اور جاننا چاہیے کہ جو چیز ایک نہ ایک دن ضرور آنے والی ہے وہ بعید کہاں؟ خصوصاً موت کہ جس کا آنا یقینی بھی ہے اور پھر اس کا وقت بھی مقرر نہیں ہے تو اس کے بعید ہونے کے تو کوئی معنیٰ ہی نہیں۔

کیا خبر ہے آج ہی کا دن آخری دن اور یہی مہینہ آخری مہینہ اور یہی سال تمہاری عمر کا آخری سال ہو، اِس کی طرف سے غفلت کرنا حماقت ہے، پھر یہ بھی سوچو کہ آئندہ کے افلاس کے اندیشہ سے معاش حاصل کرنے کی

فکر میں تم کیسے دُور دراز کے سفر اور مصائب برداشت کرتے ہو، تو کیا آخرت کی پائیدار زندگی کا اتنا بھی فکر نہ ہو جتنا دنیا کی بہت ہی جلد ختم ہونے والی ناپائیدار زندگی کا ہے؟

توبہ میں ٹال مٹول کرنے کا دوسرا سبب اور اُس کا علاج

دوسرا سبب: یہ ہے کہ نفس کو اپنی مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزا آرہا ہے؛ لہٰذا ان کا چھوڑنا اُس کو ناگوار گزرتا ہے۔ اُس کا علاج یہ ہے:

کہ سوچو اور غور کرو اگر کوئی انگریز ڈاکٹر یوں کہہ دے میاں! تمہیں ٹھنڈا پانی مضر ہے، تم اس کے پاس بھی نہ جانا؛ ورنہ مرجاؤ گے، تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ڈاکٹر کی اِس نصیحت کا تم پر کیا اثر ہوگا، ظاہر ہے زندگی برباد ہوجانے کے خوف سے ٹھنڈے پانی جیسی لذیذ نعمت بھی تم سے چھوٹ جائے گی؛ حالانکہ یہ ایک انسان کا قول ہے اور انسان بھی کافر؟ پس اس میں جھوٹ کے بیسیوں امکان نکل سکتے ہیں۔ پھر بھلا خداوندِ کریم کی مضر بتلائی ہوئی خواہشات کو توڑنے میں کیا تامل ہے؟ کیا اللہ اور اللہ کے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد کسی کافر طبیب کے قول کے برابر بھی نہیں ہے؟ یا جسمانی مرض سے مرجانا کیا ہمیشہ آگ میں جلنے سے بھی زیادہ تکلیف والا ہے، پھر یہ بھی تو سوچو کہ جب تمہارا نفس اس قدر لذت پسند اور خواہشات کا پابند ہے کہ دنیا میں چند روز کے لیے معمولی لذتوں کا چھوڑنا بھی اُس کو شاق گزرتا ہے تو یہاں ان ناپائیدار لذتوں کے حاصل کرنے کی بدولت جب آخرت کی دائمی نعمتیں چھن گئیں تو ان کے چھوڑنے اور ہمیشہ کے لیے آگ میں جلنے کی تکلیف برداشت کس طرح کرے گا؟

توبہ میں آج کل کرنے کا تیسرا سبب اور اُس کا علاج

تیسرا سبب: یہ ہے کہ نفس نے تم کو کاہلی کا سبق پڑھایا ہے اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں توبہ کی ایسی جلدی ہی کیا ہے، آج نہیں تو کل کرلیں گے، غرض اسی طرح دن گزرتے رہتے ہیں اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور تعویق وتاخیر اور آج کل میں وقت برباد ہوجاتا ہے اور موت آجاتی ہے، پس اگر توبہ میں ٹال مٹول کا باعث یہ کاہلی ہے تو اِس کا علاج یہ ہے:

اس مضمون کو سوچنا چاہیے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کب ہوگا، کون کہہ سکتا ہے کہ تم کل کو زندہ بھی رہو گے اور توبہ نصیب ہوجائے گی۔ خوب یاد رکھو! کہ ایسے میں لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے جنھوں نے توبہ کرنے کو امروز فردا میں رکھا! یہاں تک کہ موت نے آپکڑا۔ اور دوسرے یہ بھی سوچنے کے قابل بات ہے کہ

جب نفس کو لذت کا چھوڑنا آج دشوار ہورہا ہے تو بھلا کل کو جب کہ شہوت کی لذت اور مضبوط ہوجائے گی تو نفس سے کیوں کر چھوٹ سکے گی، اس کی مثال تو ایسی ہوگی جیسے تم کو کسی درخت کے اُکھاڑنے کا حکم ہوجائے اور تم یوں کہو کہ جناب اس سال تو نہیں اگلے سال اُکھاڑوں گا؛ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ درخت کی جڑ دن بدن مضبوط ہوگی اور تمہاری قوت روز بروز گھٹے گی اور ضعف بڑھے گا، پس جس درخت کو آج نہیں اُکھاڑ سکے تو اس کو آئندہ سال کس طرح اُکھاڑ سکو گے''۔ (تبلیغ دین، ترجمہ از: منہاج العابدین: ص/۱۶۷)

توبہ میں تاخیر کرنے کا چوتھا سبب اور اُس کا علاج

چوتھا سبب: یہ ہے کہ نفس نے حق تعالیٰ شانہٗ کے عفو وکرم کا آرزومند بنا رکھا ہے اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں خدا تعالیٰ کو ہمارے گناہوں کی پرواہ ہی کیا ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے، سارے گناہ بخش دے گا۔

اِس کا علاج یہ ہے:

خوب یاد رکھو کہ! یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہے کہ شیطان نے اس ڈھرہ پر چڑھا کر اپنا کام بنالیا اور دھوکہ کہ تم نے اپنی کار برآری کا آلہ گردان لیا ہے۔ جب کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، قَالَ: فَأَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَكْيَسُ؟ قَالَ: أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لِمَابَعْدَهُ اِسْتِعْدَادًا أُولَائِكَ الْأَكْيَاسُ.

(رواه ابن ماجة: ص/٣١٤، باب ذكر الموت والاستعداد له)

''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اتنے میں ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہم حاضر خدمت ہوئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! مؤمنین میں سب سے افضل کون ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، پھر ان صحابی رضی اللہ عنہ نے (دوبارہ) سوال کیا کہ: مؤمنین میں سب سے عقلمند کون ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: مؤمنین میں جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور مابعد الموت کے لیے سب سے زیادہ تیاری کرنے والا ہو، یہی لوگ عقلمند ہیں''۔

اِسی طرح دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ نفس کے دھوکہ کو سمجھو اور مابعد الموت کے لیے تیاری کرو۔ روایت پیشِ خدمت ہے:

عَنْ أَبِي يَعْلٰى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَابَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا ثُمَّ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ.

(رواه ابن ماجة: ص/٣١٤، باب ذكر الموت والاستعداد له)

''شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور نادان اور ناتواں وہ ہے جو اپنے کو نفس کی خواہشات پورا کرنے میں لگادے اور اللہ تعالیٰ سے (مغفرت اور معافی) کی اُمید باندھے''۔

(تبلیغ دین، ترجمہ از: منہاج العابدین: ص/۱۶۷)

ان دونوں روایتوں سے واضح ہوتا ہے کس طرح انسان اپنے کو دھوکہ میں رکھ کر توبہ کرنے کے بجائے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے؛ اِسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقلمند، ہوشیار، چالاک اور سمجھدار اُسی کو بتایا ہے جو اپنے نفس کے دھوکہ کو سمجھ کر اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور آخرت کے لیے عمل کرے؛ تاکہ آخرت میں اس کا پورا بدلہ مل سکے اور اللہ تعالیٰ راضی ہو سکے (اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین)۔

توبہ میں جلدی نہ کرنے کا پانچواں اور آخری سبب

آخری سبب: یہ ہے کہ معاذ اللہ قیامت کے ہونے اور معاملۂ آخرت کے پیش آنے میں شک وشبہ ہے۔

(تبلیغ دین، ترجمہ از: منہاج العابدین: ص/۱۶۷)

دراصل انسان قیامت اور آخرت کے احوال سے اس وقت غافل ہوتا ہے جبکہ انسان کے دل میں دنیا کی محبت گھر کر جائے اور انسان دنیا ہی کو اپنا نصب العین بنالے، جس کی وجہ سے آدمی کو آخرت اور قیامت کے احوال کو سوچنے کا اور اس کے بارے میں غور وفکر کرنے کا موقع نہیں ملتا، اگر موقع مل بھی جائے تو دنیا کی محبت اُس کو اپنی طرف مائل کر کے غافل کر دیتی ہے اور آدمی یوں باور کرنے لگتا ہے گویا اس کو موت ہی نہیں آئے گ اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اس دنیا میں رہے گا۔

اسی دھوکہ سے باخبر کرنے اور اس خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس تحریر میں اس کا علاج بتایا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے:

''کہ تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرو کہ آخر دنیا کی جانب مجھ کو اس قدر توجہ اور آخرت سے روگردانی کیوں ہے، اگر خلوت میں فکر کروگے تو سمجھ میں آجائے گا کہ سوائے جہالت اور غفلت کے کوئی وجہ نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے مان لو تمہاری عمر سو برس کی بھی ہوئی اور تمہیں تمام زمین کی سطح بھی سلطنت میں مل گئی؛ مگر پھر کیا؟ آخر فنا ہونا ہے، عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ نہ تم رہوگے اور نہ یہ سلطنت و ملک رہے گا، یہ سب تو فنا ہو جائیں گے؛ مگر اس کی بدولت ابدی سلطنت جس کے ختم ہونے کا کوئی وقت ہی نہیں تمہارے ہاتھ سے ضرور جاتی رہے گی۔

اور خلود و دوام کی مقدار تمہارے خیال میں نہ آسکے، تو یوں تصور کرو کہ تمام دنیا اس کنارے سے لے کر اس کنارے تک اَناج سے بھری ہوئی ہے اور ایک پرندہ پورے ایک ہزار برس میں اس لبریز دنیا میں سے ایک دانہ اُٹھا لیتا ہے، پس اسی طرح ہزار سال میں اَناج کا ایک ایک دانہ اُٹھانے پر بھی ایک نہ ایک دن یہ دنیا اَناج سے ضرور خالی ہو جائے گی، پس یہ مدت بھی جس کی ہزاروں ہزار گنا پر تمہاری گنتی ختم ہو جاتی ہے، ابد اور دوام کے نام سے موسوم نہیں ہوسکتی''۔ (تبلیغ دین، ترجمہ از: منہاج العابدین۔ مترجم: حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے ہر شخص کو نصیحت حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ واقعی دنیا کی محبت نے ہمارے دلوں کو خالق سے ہٹا کر مخلوق سے جوڑ دیا اور اعمال سے ہٹا کر مال و اسباب سے جوڑ دیا، آخرت اور احوالِ قیامت سے بھلا کر دنیا کے دھوکہ میں ہم کو دھکیل دیا اور ہم دنیا میں اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گئے، جس کی وجہ سے ہم کو گناہ سے بچنے اور نہ ہی توبہ میں جلدی کرنے کا خیال آتا ہے۔ اگر ہم قارئین اور ناظرین حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اسباب اور اس کے علاج کو اپنا لیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ ہم توبہ میں جلدی کریں گے اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْئَلُکَ تَوْبَةً نَصُوْحَةً قَبْلَ الْمَوْتِ آمِیْنْ ثُمَّ آمِیْنْ

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

قربانی اور عقلِ انسانی

(قربانی پر کیے جانے والے شبہات اور اُن کے جوابات)

ازقلم: مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی، استاذ مدرسہ عربیہ غیث الہدیٰ بنگلور

قربانی ابتدائے انسانیت سے آج تک ہر قوم میں کسی نہ کسی صورت میں رائج رہی ہے، اُممِ سابقہ میں قربانی کا رواج تھا جس کا ذکر قرآنِ پاک میں کیا گیا ہے؛ نیز اقوامِ عالم یہود اور نصاریٰ میں قربانی مشروع تھی، ہندوستان میں بعض مذہب والے خاص موسم ومخصوص تہوار کے موقع پر آج بھی جانور اپنے بتوں کے سامنے اور ان کے نام پر ذبح کرتے ہیں؛ لیکن لوگوں کو صرف امتِ محمدیہ کی قربانی پر شبہات پیش آتے ہیں، ہماری قوم کے دانشور، مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ اسی امت کو مفید مشوروں سے نوازتا نظر آتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِذْقَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ﴾. (المائدہ:۲۷)

''جب دونوں نے قربانی پیش کی، تو ان دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی''۔

﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾

(آلِ عمران:۱۸۳)

''ان لوگوں (یہود) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جس کو آگ کھالے، کہہ دو کہ مجھ سے پہلے رسول معجزات کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور انہوں نے وہ بات بھی پیش کی جس کا تم نے مطالبہ کیا، تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا، اگر تم سچے ہو''۔

یعنی گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں ایسی قربانی کا دستور تھا کہ قربانی کی اشیاء کو ایک جگہ رکھ دیا کرتے تھے، آگ آتی اور اُن کو جلا دیا کرتی، یہ قربانی کے قبول ہونے کی علامت تھی۔

مسلم یا مسلمان احکامِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے یا گردن جھکانے والے کو کہتے ہیں، مسلمان کا جذبۂ ایمانی ہمیشہ اُسے تیار رکھتا ہے کہ جو بھی حکمِ الٰہی اس کو دیا جائے، تو اُس کو بجالاتا ہے، وہ اُسے بلا چوں و چرا قبول کر لیتا ہے؛ لیکن بعض کج رو، کج فہم اور کوتاہ نظر اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول یا رَد کرنے کی ناروا جسارت کرنے لگتے ہیں اور ایسے لوگ جب ذرائع ابلاغ کا حصہ ہوں، یا ذرائع ابلاغ تک ان کی رسائی میں کوئی مشکل نہ ہو، تو وہ اسلامی احکام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور اپنی کج فہمی کے مسموم جراثیم مسلمانوں کے درمیان عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی احکام میں ایک اہم اور پُر حکمت حکم ''قربانی'' بھی ہے، جو امتِ مسلمہ سالانہ بجالاتی ہے اور بھرپور جذبۂ ایمانی سے ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے؛ مگر بعض غیر مسلم، ملحدینِ اسلام، تجدد پسند مسلمان اور بعض نادان غیر مقلدین اِس سنتِ ابراہیمیؑ سے متعلق اپنے فاسد خیالات کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، زیرِ نظر مقالے میں قربانی سے متعلق اِس طرح کے سطحی شکوک وشبہات کا علمی جائزہ لیا جائیگا۔

اِس مضمون کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

الف: غیر مسلم وملحدینِ اسلام کے شبہات وتلبیسات۔

ب: تجدد پسند اور روشن خیال حضرات کی خام خیالی۔

ج: غیر مقلدین حضرات کے شبہات۔

اِس لیے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر ان ہی تین قسم کے لوگوں کے لغو، وبے جا اور بے معنیٰ تلبیسات وشبہات کو عام کیا جاتا ہے اور امتِ مسلمہ کو ذہنی انتشار میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

غیر مسلم وملحدینِ اسلام کے شبہات وتلبیسات

(۱) کیا قربانی عقلِ انسانی کے خلاف ہے؟

بعض غیر مسلم، ملحدینِ اسلام اور مستشرقین قربانی پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قربانی کی اصل ہی عقلِ انسانی کے خلاف ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنا بیٹا ذبح کریں؛ حالاں کہ قرآن کا اعلان ہے کہ قربانی گویا قتل ہے اور قتل کی سزا ہمیشہ کے لیے جہنم ہے؛ نیز بچوں کو تو جہاد میں بھی قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، پھر معصوم بچے کو ذبح کرنے کی گنجائش کیسے دی جاسکتی ہے؟ الغرض عقل کبھی بچے اور بالخصوص اپنے معصوم بچے کے قتل کو تسلیم نہیں کرسکتی؟

جواب: اگر قربانی کی حقیقت پر نظر ہو، تو یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوگا، قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی امانت کو اس کے حکم کے موافق قربان کر دینا، خواہ وہ ہماری عقل کے موافق ہو اُس کے خلاف، سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، بیٹا خدا کا دیا ہوا تھا، اُس کے حکم کو پورا کرنا ایک مطیع وفرماں بردار اور وفادار بندے کی ذمہ داری ہے؛ اِس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی، انہوں نے اللہ سے یہ نہیں پوچھا کہ اے اللہ! جو بچہ مجھے برسہابرس دعائیں مانگنے کے بعد ملا، آخر اس کا قصور کیا ہے؟ اگر قصور ہے بھی، تو اس کو ذبح کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ نہیں؛ اِس لیے کہ جہاں اور جس کام میں اللہ کا حکم آجاتا ہے وہاں چوں چرا کی گنجائش نہیں رہتی؛ بلکہ ایک فرماں بردار بندے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے۔

(۲) کیا قربانی جذبۂ رحم کے خلاف اور درندگی ہے؟

غیر مسلموں کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جانوروں کو قربانی کے نام پر قتل کرنا درندگی ہے، یہ حد درجہ بے رحمی اور بے مروتی ہے؛ حالاں کہ یہ اعتراض اپنے آپ میں ایک حماقت ہے، ذرا غور کریں کہ کیا اس جیوہتیا سے بچنا ممکن بھی ہے؟ آپ جب پانی یا دودھ کا ایک گلاس اپنے حلق سے اُتارتے ہیں، تو اُن میں موجود سینکڑوں جراثیم ہیں جو مرجاتے ہیں، پھر آپ جن دواؤں کا استعمال کرتے ہیں وہ آپ کے جسم میں پہنچ کر کیا کام کرتی ہیں؟ دوائی کام یہی تو ہے کہ جو نقصان دہ جراثیم آپ کے جسم میں پیدا ہوگئے ہوں اور پنپ رہے ہوں اُن کا خاتمہ کردے، جانور کا قتل یا ''جیوہتیا'' کے Broad Concept کے ساتھ تو آپ پانی تک نہیں پی سکتے اور نہ دواؤں کا استعمال آپ کے لیے رَوا ہوسکتا ہے، پھر آج کی سائنس نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ جس طرح حیوانات میں زندگی اور روح موجود ہے اِسی طرح پودوں میں بھی زندگی ہے اور نباتات بھی احساسات رکھتے ہیں۔

خود ہندو فلسفے میں بھی پودوں میں زندگی مانی گئی ہے، سوامی دیانند جی نے ''آواگون'' میں روح کے منتقل ہونے کے تین قالب قرار دیے ہیں: انسان، حیوان اور نباتات، یہ نباتات میں زندگی کا کھلا اقرار ہے، تو اگر ''جیوہتیا'' سے بچنا ہے، تو نباتاتی غذا سے بھی بچنا ہوگا، گویا اس کائنات میں ایسے انسانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں جو مکمل طور پر جیوہتیا سے بچ کر جینا چاہتے ہوں۔

کیا دنیا میں جانور ایک دوسرے کا شکار نہیں کرتے؟ دنیا کی ساری چیزیں اللہ نے انسان کے فائدے کے لیے بنائی ہیں، کیا جانوروں پر ہل جوتنے کا بوجھ ڈالنا بے رحمی نہیں ہے؟ اگر کسی جان کو مارنا بے رحمی ہے، تو ہم مکھی اور مچھر بھی نہیں مار سکتے، جراثیم بھی نہیں مار سکتے۔

اِس پوری بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس دلیل سے ہم گوشت نہیں کھا سکتے، اُسی دلیل سے ہم سبزی بھی نہیں کھا سکتے؛ کیوں کہ زندگی ہر چیز میں ہوتی ہے۔

اگر ہم گوشت اور سبزی کی حقیقت الگ الگ بھی مان لیں، تو وہ ملک جہاں کھیتی نہیں ہوسکتی صرف گھاس ہوتی ہے، وہاں لوگ کیا کھائیں گے؟ جو ملک سمندر کے کنارے ہیں، جہاں کھانے کو صرف مچھلی ملتی ہے، جیسے جاپان وہاں لوگ کیا کھائیں گے؟

شمالی امریکہ میں بسنے والی قوم کیا کھائے گی؟ جہاں نہ باغات، نہ کھیت؛ بلکہ صرف سیل اور وہیل کھاتے ہیں، یا بارہ سنگھے کا شکار کرتے ہیں، دنیا بھر میں جتنا گوشت کھایا جاتا ہے اگر وہ نہ کھایا جائے اور جانوروں کو ہم بطور خوراک استعمال نہ کریں، تو دیگر اشیاءِ خوردنی کی کمی ہوجائے گی، قیمتیں بڑھ جائیں گی، بے کار مویشی ملکوں کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔

(۳) ایک عامیانہ اعتراض اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا حکیمانہ جواب:

منکرین اور ملحدین کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی سامنے آتا ہے کہ زندہ جانوروں کے گلے پر چھری پھیر دینا بھی عقلِ سیم کے خلاف ہے، یہ فعل مسلمانوں کی بے رحمی پر دلالت کرتا ہے؟

اِس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ سے زیادہ رحم کسی مذہب میں بھی نہیں ہے اور ذبحِ حیوان رحم کے خلاف نہیں؛ بلکہ ان کے حق میں اپنی موت مرنے سے مذبوح ہوکر مرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ خود مرنے میں قتل و ذبح کی موت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر انسان کو ذبح کر دیا جایا کرے؛ تاکہ آسانی سے مرجایا کرے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ حالتِ یاس سے پہلے ذبح کرنا، تو دیدہ و دانستہ قتل کرنا ہے اور حالتِ یاس پتہ نہیں چل سکتی؛ کیوں کہ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ مرنے کے قریب ہوگئے تھے، پھر اچھے ہوگئے۔

شبہ حیوانات میں کیا جائے کہ ان کی تو یاس کا انتظار نہیں کیا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ بہائم اور انسان میں فرق ہے، وہ یہ کہ انسان کا تو اِبقاء (باقی رکھنا) مقصود ہے؛ کیوں کہ خلقِ عالم سے وہی مقصود ہے؛ اِس لیے ملائکہ کے موجود ہوتے ہوئے اس کو پیدا کیا گیا؛ بلکہ تمام مخلوق کے موجود ہونے کے بعد اس کو پیدا کیا گیا؛ کیوں کہ نتیجہ اور مقصود تمام مقدمات کے بعد موجود ہوا کرتا ہے؛ اِس لیے انسان کے قتل اور ذبح کی اجازت نہیں دی گئی؛ ورنہ بہت سے لوگ ایسی حالت میں ذبح کر دیے

جائیں گے، جس کے بعد ان کے تندرست ہونے کی اُمید تھی اور ذبح کرنے والوں کے نزدیک وہ یاس کی حالت میں تھا اور جانور کا اِبقاء مقصود نہیں؛ اِس لیے اس کے ذبح کی اجازت اِس بنا پر دے دی گئی کہ ذبح ہوجانے میں ان کو راحت ہے اور ذبح ہوجانے کے بعد ان کا گوشت وغیرہ بقائے انسانی میں مفید ہے، جس کا اِبقاء مقصود ہے، اس کو اگر ذبح نہ کیا جائے اور یوں ہی مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، تو وہ مُردہ ہوکر اس کے گوشت میں سمّیت کا اثر پھیل جائے گا اور اس کا استعمال انسان کی صحت کے لیے مضر ہوگا، تو اِبقاءِ انسان کا وسیلہ نہ بنے گا۔

قصاص اور جہاد میں چوں کہ افناءِ بعض افراد بغرضِ ابقاءِ جمیع الناس متیقن ہے؛ اِس لیے وہاں قتلِ انسانی کی اجازت دی گئی؛ مگر ساتھ ہی اس کی عایت کی گئی کہ حتی الامکان سہولت کی صورت سے مارا جائے، یعنی: قصاص میں جو کہ قتلِ اختیاری ہے، تلوار سے اور جہاد میں مثلہ وغیرہ کی ممانعت ہے''۔

(اشرف الجواب، انیسواں اعتراض: ذبح کرنے پر اعتراض اور اُس کا جواب، ص:۸۶-۸۷، مکتبہ عمر فاروق، کراچی)

(۴) گوشت خوری سے انسان میں حیوانیت پیدا ہوتی ہے؟

بعض لوگ جو سبزی خور ہیں اور گوشت خوری پر مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ گوشت خوری سے انسان میں درندگی اور حیوانیت پیدا ہوتی ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ گوشت خوری انسانی فطرت کا حصہ ہے، جب سے دنیا وجود میں آئی ہے تب ہی سے انسان گوشت کھا رہا ہے، دینِ اسلام سمیت دیگر مذاہب میں بھی گوشت خوری کو ممنوع نہیں کہا گیا ہے؛ بلکہ گوشت خوری کی ترغیب پائی جاتی ہے اور یہی چیز سائنسی، عقلی اور فطری طور پر صحیح بھی ہے اور انسانی جسم کی ساخت بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے؛ البتہ اسلام نے واضح طور پر درندوں اور خبیث جانوروں کے گوشت سے منع کیا ہے؛ تاکہ مسلمانوں میں درندگی اور خباثت نہ ہو۔

سائنسی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہوئی ہے کہ گوشت خوری کا اثر انسان میں شجاعت، بہادری، جوش وخروش، بے باکی اور اسی قسم کی دوسری صفات کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

دراصل گوشت نائٹروجن، چربی، نمکیات اور پانی کا مجموعہ ہوتا ہے، ہمارے جسم کے رَگ وریشے زیادہ تر نائٹروجنی مرکبات سے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہمارا جسم مشقت، ورزش اور مختلف حرکات سے جب تحلیل ہونا شروع ہوجاتا ہے، تو اُس کی کو صرف نائٹروجنی غذا سے پورا کیا جاسکتا ہے، نائٹروجنی غذا ہی سے ہمارے جسم کی نشو ونما ہوتی ہے، ماہرینِ غذا کا کہنا ہے کہ پروٹین نباتاتی غذاؤں کی نسبت گوشت میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔

گوتم بدھ جن کو تم عدمِ تشدد اور رحم دلی کا سب سے بڑا داعی مانتے ہو، کیا یہ گوشت نہیں کھاتے تھے؟ گوتم بدھ نہ صرف گوشت خور تھے؛ بلکہ آخری وقت میں بھی گشت کھا کر ہی ان کی موت ہوئی تھی۔

کرشن، رام اور شیو سے لے کر ساور کر تک سبھی نان ویج تھے، ساور کر نے تو گاندھی جی کو نان ویج نہ کھانے پر کہا کہ آپ بنا گوشت کھائے آزادی کی لڑائی کیسے لڑیں گے؟

ہندو دھرم کی کتاب ''منوسمرتی'' کے باب نمبر۵ کے شلوک نمبر۳۰ میں ہے: جو شخص (ان جانوروں کا) گوشت کھائے جن کا گوشت کھانا چاہیے، تو وہ کوئی بُرا کام نہیں کر رہا ہے، چاہے وہ ایسا روزانہ کرے؛ کیوں کہ خدا نے کچھ چیزیں کھائے جانے کے لیے پیدا کی ہیں اور کچھ کو ان چیزوں کو کھانے کے لیے پیدا کیا ہے۔

''منوسمرتی'' چاپٹر نمبر پانچ، شلوک ۳۵ میں ہے: ''شاستر'' کی وِدھی سے جو مانس شدھ ہوتا ہے اُس کو جو نہیں کھاتا، پرلوک میں اکیس جنم تک جانور ہوتا ہے۔

ہٹلر سے بھی بڑھ کر کوئی تشدد، ظلم وستم اور بے رحمی کا نمائندہ ہے؛ لیکن ہٹلر گوشت خور نہیں تھا، پھر بھی درندگی وحیوانیت اس کی مزاج میں انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی، اس کے بارے میں آتا ہے کہ ویج استعمال کرتا تھا، پھر بھی حیوان ودرندہ بنا ہوا تھا۔

(۵) کیا قربانی سے جانوروں کی نسل کُشی ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام چلا آرہا ہے کہ انسانوں یا جانوروں کو جس چیز کی جتنی زیادہ ضرورت ہوتی ہے حق تعالیٰ شانہٗ اُس کی پیدائش اور پیداوار اُسی کے قدر بڑھا دیتے ہیں اور جس چیز کی جتنی ضرورت کم ہوتی ہے اُس کی پیداوار اُتنی ہی کم ہو جاتی ہے، آپ پوری دنیا کا جائزہ لیں، جن ممالک میں قربانی کے اس عظیم الشان حکم پر عمل کیا جاتا ہے، کیا ان ممالک میں قربانی والے جانور ناپید ہو چکے ہیں؟ یا پہلے سے بھی زیادہ موجود ہیں؟! آپ کبھی اور کہیں سے بھی یہ نہیں سنیں گے کہ دنیا سے حلال جانور ختم ہو گئے، یا اتنے کم ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو قربانی کرنے کے لیے جانور ہی میسر نہیں آئے، اس کے برخلاف کتے اور بلیوں کو دیکھ لیں، ان کی نسل دنیا میں کتنی ہے؟

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ﴿مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ﴾ (سبا:۳۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''اِس آیت کے لفظی معنیٰ یہ ہیں کہ تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے تمہیں اس کا بدل دے دیتے ہیں، کبھی دنیا میں اور کبھی آخرت میں اور کبھی دونوں میں۔

کائناتِ عالم کی تمام چیزوں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے، انسان اور جانور اس کو بے دھڑک خرچ کرتے ہیں، کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرتے ہیں، وہ پانی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا اس کی جگہ اور نازل ہو جاتا ہے، اسی طرح زمین سے کنواں کھود کر جو پانی نکالا جاتا ہے اُس کو جتنا نکال کر خرچ کرتے ہیں اُس کی جگہ دوسرا پانی قدرت کی طرف سے جمع ہو جاتا ہے، انسان غذا کھا کر بظاہر ختم کر لیتا ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ اُس کی جگہ دوسری غذا مہیا کر دیتے ہیں، بدن کی نقل وحرکت اور محنت سے جو اجزاء تحلیل ہو جاتے ہیں اُن کی جگہ دوسرے اجزاء بدل بن جاتے ہیں۔

غرض انسان دنیا میں جو چیزیں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی عام عادت یہ ہے کہ اس کے قائم مقام اُس جیسی دوسری چیز دے دیتے ہیں، کبھی سزا دینے کے لیے یا کسی دوسری تکوینی مصلحت سے اس کے خلاف ہو جانا، اِس ضابطۂ الٰہیہ کے منافی نہیں۔

اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء صرف انسان اور حیوانات کے لیے پیدا فرمائی ہیں، جب تک وہ خرچ ہوتی رہتی ہیں اُن کا بدل من جانب اللہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔

جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی پیداوار بھی بڑھا دیتے ہیں، جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ ان کو ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے اور شرعی قربانیوں اور کفارات وجنایات میں ان کو ذبح کیا جاتا ہے، وہ جتنے زیادہ کام آتے ہیں اللہ تعالیٰ اُنی ہی زیادہ اُس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں، جس کا ہر جگہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ بکروں کی تعداد ہر وقت چھری کے نیچے رہنے کے باوجود دنیا میں زیادہ ہے۔

کتے بلی کی تعداد اتنی نہیں؛ حالاں کہ کتے بلی کی نسل بظاہر زیادہ ہونی چاہیے کہ وہ ایک ہی پیٹ سے چار پانچ بچے تک پیدا کرتے ہیں، گائے بکری زیادہ سے زیادہ دو بچے دیتی ہے، گائے بکری ہر وقت ذبح ہوتی ہے، کتے بلی کو کوئی ہاتھ نہیں لگاتا؛ مگر پھر بھی یہ مشاہدہ ناقابلِ انکار ہے کہ دنیا میں گائے اور بکروں کی تعداد بہ نسبت کتے بلی کے زیادہ ہے۔

عرب نے جب سے سواری اور باربرداری میں اُونٹوں سے کام لینا کم کر دیا، وہاں اُونٹوں کی پیداوار بھی گھٹ گئی، اس سے اس ملحدانہ شبہ کا ازالہ ہو گیا جو احکامِ قربانی کے مقابلے میں اقتصادی اور معاشی تنگی کا اندیشہ پیش کر کے کیا جاتا ہے"۔ (معارف القرآن، سورۃ السبا: ۳۰۳/۷)

تجدد پسند اور روشن خیال حضرات کی خام خیالیاں

(۱) تین دن میں سینکڑوں جانور ذبح کرنے سے ہمیں کیا ملے گا؟

بعض نام نہاد روشن خیال مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر یوں کہتے ہیں کہ قربانی کے تین دنوں میں سینکڑوں جانور ذبح کرنے سے ہمیں کیا ملے گا؟ قربانی کی رقم کو دیگر رِفاہی کاموں میں استعمال کیا جائے تو قوم کا بھلا ہوگا؟

یہ سوال درحقیقت قربانی کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر کیا جاتا ہے، اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قربانی کوئی رسم نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ذریعے ایک مزاج بنانا مقصود ہے، جسے فلسفۂ قربانی کا نام دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی حکم آجائے، تو ہم اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے اللہ کے حکم کی پیروی کریں، اس کے حکم کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کریں، اسی کی تعلیم دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا اور حکم بھی صراحتاً نہیں ملا؛ بلکہ خواب کے ذریعہ دیا گیا، تو انہوں نے ایک لفظ یوں نہیں کہا: اے اللہ! اِس عمل میں میرے لیے کیا نفع اور کیا نقصان ہے؟ یہ حکم عقلِ انسانی کے خلاف ہے کہ بوڑھے باپ سے کہا جائے کہ اپنے اکلوتے لختِ جگر کو میرے نام پر ذبح کرو؛ بلکہ خدا کی طرف سے حکم آیا اور اس کی تعمیل کی، جس پر خود اللہ نے فرمایا: یہ بہت بڑا امتحان تھا، حضرت ابراہیم اُس امتحان میں کامیاب ہوگئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتادیا کہ بیٹا خدا کی طرف سے ملی ہوئی نعمت اور اُس کی امانت ہے، اُس کو حق ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت اور امانت میں جو چاہے حکم دے، اس کے حکم کی تعمیل بندے کے لیے ضروری ہے۔

(۲) کیا قربانی فضول خرچی ہے؟

بعض روشن خیال لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قربانی کے بجائے اگر یہ کثیر مال رفاہِ عامہ کے مفید کاموں: ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جائے، تو معاشرے کے غریب اور مفلس طبقے کا بھلا ہوجائے گا، کوئی بھوکا نہیں رہے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فضول خرچی اُس خرچ کو کہتے ہیں جو ضرورت کے بغیر ہو بے موقع خرچ کیا جائے، اس کو فضول خرچی کہتے ہیں، قربانی شرعی ضرورت ہے، عیدالاضحیٰ کے دن سب سے افضل اللہ کے نزدیک قربانی ہے، اللہ سے قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اس کو بے موقع خرچ کیسے کہا جاسکتا ہے؟

انسان اپنے لیے سب کچھ کرے اور انسان کی ہر ایک سانس جس خالق کی عطا کردہ ہے اُس کے لیے ایک چھوٹی سی قربانی بھی پیش نہ کر سکے! اس کے حکم کو بجالانے کو فضول خرچی سے تعبیر کرے، یہ کس قدر ظلم و جہالت کی بات ہے۔

(۳) ایامِ قربانی میں عام رِفاہی کاموں میں مال خرچ کرنا افضل یا قربانی؟

جدید تہذیب وتمدن کے دل دادہ اور مغربیت سے متأثر ذہنیت رکھنے والے اس ماہِ مبارک کے شروع ہوتے ہی سادہ لوح اور مذہب پسند مسلمانوں کا ذہن خراب کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ قربانی کی وجہ سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے، لاکھوں لگوں کی رقمیں بلاوجہ ضائع ہوتی ہیں، اس کے بجائے اگر اتنا مال رفاہِ عامہ کے مفید کاموں، ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جائے تو معاشرے کے غریب اور مفلس طبقے کا بھلا ہو جائے گا، یہ افراد بھی زندگی کی ضروری سہولتوں سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

اس طرح منکرینِ قربانی اپنی عقلِ نارسا سے کام لیتے ہوئے بزعمِ خود قربانی کے نقصانات اور ترکِ قربانی کے فوائد بیان کرتے نظر آتے ہیں اور اس کی وجہ سے عام مسلمان اِن نام نہاد دانشوروں کے زہریلے پروپیگنڈے اور بہکاوے میں آکر اسلام کے اس عظیم الشان حکم کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اگر قربانی کرنے کی بہ نسبت انسانیت کی فلاح و بہبود میں مال خرچ کرنا اتنا ہی افضل، موزوں ومناسب یا ضروری ہوتا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اہلِ ثروت اور صاحبِ نصاب مسلمانوں پر قربانی کے حکم کے بجائے غریب، سسکتی اور بدحال انسانیت پر مال خرچ کرنا ضروری قرار دیا جاتا، جب کہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ہر دَور میں غریب اور نادار طبقہ موجود رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دَور میں بھی یہ طبقہ یقیناً موجود تھا؛ بلکہ ایسے افراد تو بہ کثرت موجود تھے؛ لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم (جو اپنی امت کے لیے بہت ہی زیادہ شفیق اور مہربان تھے) نے اپنے زمانے کے اہلِ ثروت اور صاحبِ نصاب مسلمانوں کو اس عید کے موقع پر یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنا مال عام رِفاہی کاموں، اسکولوں، ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کریں؛ بلکہ یہ حکم فرمایا کہ اس موقع پر اللہ کے حضور جانور کی قربانی پیش کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"عن ابن عمر رضي الله عنه قال: أقام رسول الله صلّى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين، يضحي كل سنة.

(سنن الترمذي، الأضاحي، باب الدليل على أن الأضية سنة، رقم الحديث:١٥٠٧)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دَوران) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قربانی کرتے رہے''۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس عظیم حکم کو ہمیشہ قائم ودائم رکھنا اِس بات کی دلیل ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا ہی افضل، اولیٰ اور ضروری ہے۔

(۴) ایامِ قربانی میں قربانی افضل ہے یا نقد صدقہ؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ایامِ قربانی میں قربانی کیا کرتے تھے، اگر ان حضرات کے نزدیک قربانی سے بہتر کوئی عمل ہوتا، تو وہ حضرات قربانی کی بجائے ضرور اسی کو اختیار کرتے؛ حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس سال برابر قربانی کرتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ماعمل آدمي من عمل يوم النحر أحب إلى اللّٰه من إهراق الدم''.

(سنن الترمذي، فضل الأضحية، رقم الحديث:١٤٩٣)

''یوم النحر میں سب سے افضل اور محبوب عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک (قربانی کے جانور کا) خون بہانا ہے''۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ماأنفقت الورق في شيء أفضل من نحيرة في يوم العيد. (سنن الدارقطني، كتاب الأشربة، باب الصيد والذبائح والأطعمة، رقم الحديث:٤٧٥٢، رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ:١٩٠١٤)

''کسی کام میں مال خرچ کیا جائے، تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے افضل نہیں ہوسکتا''۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قربانی کے ایام میں صدقہ کرنے کی بہ نسبت قربانی کرنا افضل ہے، امام ابوداؤد، امام ربیعہ اور ابوالزناد رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔'' (المجموع شرح المہذب، کتاب الحج، باب الأضحیۃ:۹/۳۳۷)

''التضحية فيها أفضل من التصدق بثمنها لأنها تقع واجبة إن كان غنيا وسنة إن كان فقيرا والتصدق بالثمن تطوع محض فكانت هي أفضل لأنها تفوت بفوات أيامها. (البحرالرائق، كتاب الأضحية: ٢/٣٢٢)

علامہ ابنِ نجیمؒ فرماتے ہیں:

''ایامِ قربانی میں قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے؛ اِس لیے کہ اگر آدمی مال دار ہے، تو قربانی واجب ہوگی، اگر فقیر ہے، تو سنت ہوگی، قربانی کی قیمت صدقہ کرنا محض نفل ہے۔ (واجب اور سنت بہر حال نفل سے افضل ہے) لہٰذا قربانی افضل ہوگی؛ اِس لیے کہ ایامِ قربانی کے گزر جانے سے قربانی کا وقت بھی فوت ہو جاتا ہے''۔

رِفاہی کاموں کی افادیت اپنی جگہ مسلم:

عام رفاہی مفید کام ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح و بہبود، غریب، مساکین اور نادار لوگوں کی کفالت کے لیے اسلام نے زکاۃ، صدقۃ الفطر، عشر، کفارات، نذور، میراث اور دیگر وجوبی صدقات اور ہدایا وغیرہ کا نظام وضع کیا ہوا ہے، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، یتیموں کی کفالت اور خیر خواہی کا قرآن نے بار بار تاکیدی حکم دیا ہے۔

ان احکامات کو پوری طرح عملی جامہ پہنا کر مطلوبہ نتائج و مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں، اسلام کے ایک عظیم الشان حکم کو مسخ کر کے تلبیس سے کام لینے کی حاجت نہیں ہے۔

معاشرے میں ہونے والی خرافات پر تفصیلی نظر ڈالی جائے، طرح طرح کی مروج رسومات میں ضائع ہونے والے اَربوں و کھربوں کی مالیت کے روپئے کو کنٹرول کیا جائے۔

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''منکرینِ قربانی اپنی عقلِ نارسا سے کام لیتے ہوئے بزعمِ خود قربانی کے نقصانات اور ترکِ قربانی کے فوائد بیان کیے ہیں، مثلاً: یہ کہا ہے کہ قربانی کی وجہ سے جانوروں کی نسل کُشی ہوتی ہے اور لوگوں کی رقمیں بلاوجہ ضائع ہوتی ہیں، اگر یہ قوم رفاہِ عامہ کے کسی مفید کام میں صَرف کی جائیں، تو کیا ہی اچھا ہو وغیرہ وغیرہ؛ مگر یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو (جو حکیم علی الاطلاق ہے اور اس کا کوئی حکم عقل کے خلاف اور خالی از حکمت نہیں ہوتا) محض ان طفلی تسلیوں سے کیوں کر رَد کیا جاسکتا ہے؟ کیا اس کو قربانی کا حکم دیتے وقت یہ معلوم نہ تھا کہ قربانی سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے اور اس کے یہ نقصانات ہیں؟ رب کے صریح احکام میں معاذ اللہ کیڑے نکالنا کون سا ایمان ہے؟! اور پھر جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح اور صریح قولی فعل اور امتِ مسلمہ کے عمل کو جو تواتر سے ثابت ہوا ہے، خلافِ عقل یا مضر بتانا کون سا دین ہے؟''۔ (مسئلہ قربانی مع رسالہ سیف یزدانی: ص/۱۲)

حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''بعض لوگ روحانیت سے غافل ہوکر یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ قوم کا اتنا روپیہ جو تین دن میں جانوروں کے ذبح پر ہر سال خرچ ہوجاتا ہے اور اس کا خاطر خواہ مفاد نظر نہیں آتا، اگر یہی پیسہ رفاہی اور قومی مفادات پر لگایا جائے تو بہت فائدہ ہو؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور اہم عبادت ہے، جیسے: حج کرنا، زکاۃ دینا اور دوسری عبادات، تو کیا ان عبادات کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ فضول خرچی اور مال کو بے جا خرچ کرنا ہے؟! اِس طرح تو دین کا بہت بڑا حصہ اور بہت سے دینی احکام ہی کا اسلام سے تعلق ختم ہوجاتا ہے، پس جب شریعت میں قربانی کا حکم ہے، تو اسے عقلی اعتراضوں اور ذہنی ڈھکوسلوں کا شکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں ہونے والی دوسری اور اصل فضول خرچیاں (جن کا شریعت نے حکم نہیں دیا) ان لوگوں کو نظر نہیں آتیں، جب کہ اصل میں تو ان کے ختم کرنے اور مٹانے کی ضرورت ہے، ملک کی کتنی بڑی تعداد ایسی ہے جو سگریٹ نوشی، منشیات، کرکٹ، ہاکی اور دوسرے کھیل، جوئے بازی، گھوڑ دوڑ، ناچ گانا، فحش پروگرام، انٹرنیٹ، ٹی وی، کیبل، وی سی آر، سنیما، فضول تصویر سازی اور مووی بازی اور دوسرے فحش میڈیائی پروگرام، فحش اخبار ورسائل اور دیگر ناول اور ڈائجسٹ، بسنت، عید کارڈ، شادی کارڈ، گانوں اور دیگر غلط پروگراموں کی آڈیو وویڈیو کیسٹیں اور سی ڈیز، ویڈیو گیمز، آتش بازی، شادی بیاہ، مرگ وموت اور غمی خوشی کی رسومات، مختلف فیشن، غیر شرعی بیوٹی پارلر وغیرہ کی زَد میں ہے، جن کو چھوڑے اور توبہ کیے بغیر دنیا وآخرت کی فلاح اور کامیابی ملنا مشکل ہے اور یہی پیسہ اگر قومی اور رفاہی مفادات پر خرچ کیا جائے، تو بہت جلد ترقی حاصل کی جاسکتی ہے''۔ (ذوالحجہ اور قربانی کے مسائل واحکام: ص/۱۶۷)

ہمارے یہاں شادی بیاہ، تفریحِ طبع اور دیگر دعوتوں پر بے تحاشا رقوم خرچ کی جاتی ہیں، محض نمود ونمائش کے لیے قیمتی لباس زیبِ تن کیا جاتا ہے۔ روزانہ بہت سارا کھانا ضائع ہوجاتا ہے، ان تمام کاموں پر خطیر رقم خرچ کی جاتی ہے اور ایسا ہم روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

خود قربانی کے خلاف فیس بک پر لکھنے والوں کو اپنا لیپ ٹاپ اور آئی فون نہیں خریدنا چاہیے تھا؛ اِس لیے کہ اسی رقم میں کسی غریب فیملی کا کئی ماہ کا راشن ہوجاتا، ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ جس رب نے امتِ مسلمہ کے لیے

قربانی کو لازم قرار دیا ہے، اُسی رب نے صاحبِ نصاب آدمی پر زکاۃ بھی فرض کی ہے اور اس کے علاوہ دیگر صدقات اور اطعام وانفاق کی بھی ترغیب دلائی ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے شبہات

(۱) ایامِ قربانی تین دن نہ کہ چار دن:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ایامِ قربانی چار دن ہیں، ایامِ قربانی جمہور کے نزدیک تین دن ہیں: ۱۰، ۱۱، اور ۱۲ ذی الحجہ ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر، حضرت انس ابنش مالک اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے بعد دو دن قربانی کے ہیں۔

اِس باب میں کوئی مرفوع روایت نہیں ہے؛ البتہ صریح وصحیح آثارِ صحابہ موجود ہیں جو حکماً مرفوع ہیں؛ اِس لیے کہ قیاس سے کسی عبادت کے لیے وقت کی تعیین نہیں کی جاسکتی، غیر مقلدین جن آثارِ صحابہ سے استدلال کرتے ہیں وہ منقطع، ضعیف اور محتمل روایات ہیں، علامہ ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے ''اعلاء السنن'' میں اس سلسلے میں بہت کافی وشافی بحث فرمائی ہے، اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

عن عبداللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما: الأضحى يومان بعد يوم الأضحٰى، وقال مالک: إنه بلغه عن علي بن طالب مثل ذٰلک.

(موطا، كتاب الأضحية، الأضحية عما في بطن المرأة: ١٧٧٥-١٧٧٤)

عن أنس رضي اللّٰه عنه: الأضحٰى يوم النحر ويومان بعده.

(صححه ابن حزم، المحلى بالآثار: ٤٠/٦، إعلاء السنن:٢٥٧/١٧)

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ عیدالاضحیٰ کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔

چوتھے دن قربانی سے متعلق جو روایات ہیں وہ منقطع اور مرسل ہیں۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تینوں حضرات کا یہی مسلک ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں، ائمہ اربعہ میں سے تین ائمہ کرام کے یہاں چوتھے دن اگر کوئی قربانی کرے، تو اُس کی قربانی نہیں ہوگی۔

قيل: أيام الذبح يوم النحر وثلاثة أيام بعده، ورجحه الشوكاني، واحتج بما روي عن جبير بن مطعم وأبي هريرة وأبي سعيد رضي اللّٰه عنهم أن أيام التشريق كلها ذبح. عن جبير بن مطعم

عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم، فذكر مثله، وقال: كلّ أيام التشريق ذبح. (رواه أحمد:١٦٧٥٢)

والجواب عنه أن ماروى عن أبي هريرة وأبي سعيد ففي سنده معاوية بن يحيٰى الصدفي، وهو واهٍ، ومع ذٰلک فقد اضطرب في الإسناد، فقال تارة عن الزهري عن سعيد بن المسيّب عن أبي هريرة. وأخرىٰ عن الزهري عن سعيد عن أبي سعيد، ورواه ابن أبي حاتم في العلل من طريق معاوية عن الزهري عن سعيد عن أبي سعيد، وحكى عن أبيه أنه قال: هو موضوع.....

وقال ابن القيم في الهدي: إن حديث جبير بن مطعم منقطع لايثبت أصله. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب أن الأضحية يومان بعد يوم الأضحى: ١٧/٢٥٤-٢٥٥، دارالكتب العلمية بيروت)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایت میں معاویہ بن یحییٰ صدفی ہے، جو بہت ضعیف راوی ہے؛ نیز یہ روایت مضطرب بھی ہے، امام ابوحاتم نے زہری عن سعید عن ابی سعید کی سند کو موضوع قرار دیا ہے، حضرت جبیر بن مطعم کی روایت مضطرب اور منقطع ہے۔

یہ وہ روایات ہیں جن کو غیر مقلدین بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

قربانی کے تین دن اتفاقی ہیں اور فضیلت رکھتے ہیں، قصداً انھیں چھوڑ کر اختلافی دن قربانی کرنا بلاشبہ احتیاط کے خلاف اور ضد اور ہٹ دھرمی کی بات ہے۔

مسئلہ: چوتھے دن ذبح کیا گیا جانور ہمارے نزدیک اگرچہ قربانی کا جانور نہیں ہے؛ لیکن غیر مقلدین چوں کہ مسلمان ہیں اور اُن کا ذبیحہ حلال ہے؛ لہٰذا اُسے عام گوشت کا ہدیہ سمجھ کر قبول کرنا اور اُس کا کھانا جائز ہے۔

(۲) اُونٹ میں کتنے لوگ شریک ہو سکتے ہیں؟

جمہور علماء کے نزدیک اُونٹ کی قربانی میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، اس کے برخلاف غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اُونٹ میں دس افراد شریک ہو سکتے ہیں، غیر مقلدین کے ایک پمفلٹ جس کے مرتب ابویاسر امین الرحمٰن عمری مدنی ہیں اُنہوں نے لکھا ہے گائے میں سات گھرانے اور اُونٹ میں دس گھرانے شریک ہو سکتے ہیں۔ یاللعجب

عن جابر بن عبداللّٰه، قال: نحرنا مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم عام الحديبية البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة. (رواه مسلم، كتاب الحج، باب الاشترك فى الهدي:١٣١٨)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے حدیبیہ کے سال اُونٹ سات افراد کی طرف سے اور گائے سات افراد کی طرف سے ذبح کی ہے۔

عن أنس، عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: إن الجزور عن سبعة.

(شرح مشكل الآثار:٢٥٩٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُونٹ کو سات افراد کی طرف سے ذبح کیا جاسکتا ہے۔

غیر مقلدین کی پہلی دلیل:

عن الحسين بن واقد عن علباء بن أحمر عن عكرمة عن ابن عباس قال: كنا مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم في سفر فحضر الأضحى، فاشتركنا في البقرة سبعة، وفي البعير عشرة..... حديث ابن عباس حديث حسن غريب.

(رواه الترمذي، كتاب الأضاحي، باب ماجاء في الاشتراك في الأضحية:١٥٠١)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ عیدالاضحیٰ کا موقع آ گیا، تو ہم گائے میں سات افراد اور اُونٹ میں دس افراد شریک ہو گئے۔

جواب:

عن ابن عباس قال: سأل رجل رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم، فقال: على ناقة، وقد عزبت على، فقال: اشتر سبعا من الغنم، قال: فهٰذا يدل علىٰ أن الجزور عدله سبعة من الغنم، فكشفنا عن ذٰلك، فوجدنا هٰذا الحديث فاسد الإسناد. (شرح مشكل الآثار:٢٥٩٦)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا کہ یارسول اللہ! مجھ پر ایک اُونٹ واجب ہے؛ لیکن دست یاب نہیں ہے، (اب میں کیا کروں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات بکریاں خریدو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اُونٹ سات بکریوں کے مساوی ہے، (پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں دس افراد کے مساوی کیوں قرار دیا گیا ہے؟) اِس لیے ہم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں تحقیق کی، تو پتہ چلا کہ وہ روایت غلط ہے۔

معلوم ہوا کہ حسین بن واقد کی سند میں کوئی خرابی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ روایت دیگر صحابہؓ کی روایت اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے کے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب:

حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

اِس روایت سے اُونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت پر استدلال تام نہیں ہے؛ اِس لیے کہ یہ روایت اس باب میں صریح نہیں ہے؛ بلکہ محتمل ہے، اس طور پر کہ اُونٹ کی قربانی میں دس افراد شریک ہوئے ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ دس دس افراد کو کھانے پکانے کے لیے ایک ایک اُونٹ دیا گیا ہو؛ اِس لیے کہ عیدالاضحیٰ کا موقع ہے، خوشی ومسرت سے عید منائیں، دوسرے احتمال کی صورت میں قربانی میں دس افراد کی شرکت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔

(مستفاد از: تحفۃ الألمعی: ۳۰۶/۳)

غیر مقلدین کی دوسری دلیل:

عن محمد بن إسحاق حدثني الزهري، عن عروة بن الزبير، عن مروان بن الحكم، والمسور بن مخرمة، أنهما حدثاه جميعا أن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم خرج يريد زيارة البيت لايريد حربا وساق معه الهدى سبعين بدنة عن سبع مائة رجل كل بدنة عن عشر.

(سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدى: ۱۰۱۹۷ دارالحديث قاهره)

مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے ساتھ ہدی کے ستر جانور ایک اُونٹ دس افراد کے حساب سے سات سو افراد کی طرف سے لے گئے (اور حدیبیہ میں ذبح فرمایا)۔

جواب:

حافظ ابوعمر وابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

محدثین نے حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایات کو جو اُونٹ میں سات سے زیادہ افراد کی شرکت پر دلالت کرتی ہیں، ان کو ضعیف، مرسل اور اصح روایات کے مخالف قرار دیا ہے؛ نیز مسور بن مخرمہ حدیبیہ میں موجود نہیں تھے، مروان صحابی نہیں ہیں، روایت مرسل ہے۔ (الاستذکار، کتاب الضحایا، الشرکۃ فی الضحایا: ۲۳۹/۵)

محمد بن اسحاق بن یسار دس افراد کی شرکت کو بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

(سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدى: ۱۰۲۰۳ دارالحديث قاهره)

غیر مقلدین کی تیسری دلیل:

عن عباية بن رفاعة، عن جده رافع، قال: كنا مع النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم بذي

الحليفة، فأصاب الناس جوع، وأصبنا إبلا وغنما، وكان النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم في أخريات الناس، فعجلوا فنصبوا القدور، فأمر بالقدور، فأكفئت، ثم قسم، فعدل عشرة من الغنم ببعير. (بخاری، کتاب الجهاد، باب مایکره من ذبح الإبل والغنم من الغنائم:۳۰۷۵)

یہ روایت صراحتاً مالِ غنیمت کی تقسیم پر دلالت کرتی ہے، غیر مقلدین اس روایت کو کاٹ چھانٹ کر قربانی پر منطبق کرتے ہیں اور امت کو دھوکے میں مبتلا کرتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجوہِ ترجیح:

(۱) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح حدیبیہ، عمرہ اور حج میں شریک رہے ہیں، آپ نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ اور حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے اور اُونٹ میں سات افراد کے شریک ہونے کی اجازت دی ہے۔

(۲) امام مالک، ابنِ جریج اور زہیر بن معاویہ رحمہم اللہ وغیرہ نے ابوالزبیر رحمہ اللہ سے اور حضرت عطاء رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے سات افراد کے شرکت کی بات نقل کی ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اسی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں اُونٹ میں دس افراد کی شرکت کی جو بات مروی ہے وہ راوی کا وہم ہے۔

(۳) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں حسین بن واقد اُونٹ میں دس افراد کی شرکت بیان کرنے میں منفرد ہیں (جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے)۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، کتاب الحج، باب الاشتراک فی الہدی:۱۰۲۰۳ دار الحدیث قاہرہ)

(۴) غزوۂ حدیبیہ میں اُونٹ میں سات حصوں کا ذکر ہے، ممکن ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی دس حصوں والی روایت حجۃ الوداع سے پہلے کی ہو جو کہ منسوخ ہوگئی ہو، یہ تاویل اس لیے بھی ضرور ہے کہ کیوں کہ یہ روایت دیگر صحابہؓ سے مروی روایات اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فتوے کے بھی خلاف ہے۔

(۳) ایک بکری ایک گھرانے کی طرف سے کافی ہو جائے گی؟

قربانی ایک عبادت ہے، عبادت ہر صاحبِ نصاب پر الگ الگ واجب ہے، جس طرح ہر صاحبِ نصاب پر الگ ال زکاۃ فرض ہے، اسی طرح قربانی بھی ہر صاحبِ نصاب پر الگ الگ واجب ہے، ایک بکری اسقاط واجب

کے لیے سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی، یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ایک بکری ایک انسان کے پورے گھرانے کی طرف سے بطور قربانی کافی ہوجاتی ہے، اسی قول کو غیر مقلدین اختیار کرتے ہیں اور امت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

احناف وشوافع کی پہلی دلیل:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نحرنا مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم عام الحديبية البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة.

(رواه مسلم، كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي:١٣١٨)

حدیبیہ کے سال ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُونٹ سات افراد کی طرف سے اور گائے کو سات افراد کی طرف سے ذبح کیا ہے۔

اِس حدیث میں اُونٹ اور گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے کافی قرار دیا گیا ہے، نہ کہ بکرے کو؛ اِس لیے اِن ہی جانوروں میں سات افراد کی شرکت جائز ہوسکتی ہے، بکرے میں اسقاطِ ذمہ کے لیے ایک سے زائد افراد کی شرکت درست نہیں ہوسکتی۔

عن ابن عباس: أن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم أتاه رجل، فقال: إن علىٰ بدنة، وأنا موسر بها، ولاأجدها فأشتريها؟ فأمره النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم أن يبتاع سبع شياه، فيذبحن.

(رواه أحمد:٢٨٣٩، وابن ماجه، باب كم تجزي من الغنم عن البدنة:٣١٣٦)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے: مجھے پر ایک بدنہ لازم ہے، بدنہ مجھے نہیں مل رہا ہے؛ حالاں کہ بدنہ خریدنے پر مجھے قدرت بھی حاصل ہے، کیا مجھے ہر حال میں بدنہ خریدنا ضروری ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات بکریاں اس کے عوض لے لو اور ان کو ذبح کردو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک بدنہ کو سات بکریوں کے مساوی قرار دیا ہے اور ایک بدنہ کو صرف سات افراد ہی کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے، ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ ایک بکری ایک شخص ہی کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ ایک شخص سے زائد افراد کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے، تو ایک بدنہ کا سات سے زائد بکریوں کے مساوی ہونا لازم آئے گا؛ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدنہ کو صرف سات بکریوں کے مساوی قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے، اپنی ازواج کی طرف سے الگ الگ قربانی کیا کرتے تھے، اگر ایک ہی بکری سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوجاتی، تو گھر کے تمام افراد کی طرف سے الگ الگ قربانی کی ضرورت کیا ہے؟

غیر مقلدین کی پہلی دلیل:

عن عطاء بن يسار يقول: سألت أباأيوب الأنصاري: كيف كانت علىٰ عهد رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم؟ فقال: كان الرجل يضحي بالشاة عنه وعن أهل بيته، فيأكلون ويطعمون حتىٰ تباهى الناس، فصارت كما ترىٰ. (سنن ترمذی، كتاب الأضاحي:١٥٠١)

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانیاں کیسی ہوتی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کیا کرتا تھا، گھر والے اس قربانی کو کھاتے تھے، یہاں تک کہ لوگوں میں مفاخرت شروع ہوگئی جس کی صورتِ حال کا تم مشاہدہ کررہے ہو۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ایک بکری کی قربانی مطلقاً گھر کے کئی افراد کی طرف سے کافی ہوجائے گی۔

جواب:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ لوگ عام طور سے غریب ہوا کرتے تھے، گھر کے ایک ہی فرد پر قربانی واجب ہوا کرتی تھی، وہ شخص ایک ہی بکری کی قربانی دیا کرتا تھا؛ یہاں تک کہ مفاخرت کا سلسلہ شروع ہوگیا، ایک ہی شخص کئی کئی قربانیاں، یا زیادہ قیمت والے جانور کی قربانی دینے لگا، مفاخرت کبھی متعدد جانوروں کی قربانی سے ہوگی، کبھی قیمتی جانور سے ہوگی۔ (تحفۃ الالمعی:۴/۴۳۸)

دوسرا جواب:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ حضراتِ صحابہؓ ایک بکرے کی قربانی کے ثواب میں اپنے تمام گھر والوں کو شریک کرلیا کرتے تھے، (یعنی ایک شخص اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اور اُس کے اجر وثواب میں سارے گھر والوں کو شریک کرلے، یہ جائز ہے)۔

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فریضہ کی ادائیگی کے طور پر ایک بکری میں گھر کے تمام افراد شریک ہوجاتے تھے، اگر قربانی نفل ہو، مقصود ایصالِ ثواب ہو، تو ایک قربنی میں کئی افراد کو شریک کیا جاسکتا ہے۔ (درسِ ترمذی:۵/۱۷۱)

دوسری دلیل:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدالاضحیٰ میں عیدگاہ میں حاضر تھا، جب آپ نے نماز مکمل فرمائی، تو منبر سے نیچے آئے، ایک بکرہ لایا گیا، اُس کو اپنے ہاتھوں سے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہتے ہوئے ذبح فرما کر ارشاد فرمایا: یہ قربانی میری اور میری امت کے اُن افراد کی طرف سے ہے جنھوں نے قربانی نہیں دی۔ (سنن ابی داؤد:۲۸۱۰)

جواب:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے آپ کے شاردمطلب بن عبداللہ کی سند سے بیان کیا ہے، یہ مختصر روایت ہے، اسی روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگرد اور آپ کے فرزند عبدالرحمٰن بن جابر (مسند ابویعلی:۱۷۹۲، والطحاوی فی شرح معانی الآثار:۶۲۲۷) اور حضرت ابوعیاش (رواہ ابوداؤد:۲۷۹۵، احمد:۱۵۰۲۲، والدارمی:۱۹۸۹) نے روایت کی ہے، ان دونوں کی روایات میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکرے ذبح فرمائے، ایک اپنی طرف سے، دوسرا بکرا (بطور شرکت اجر وثواب) اپنی امت کی طرف سے قربان فرمایا؛ لہٰذا مختصر روایت کا مطلب وہی لیا جائے گا جو تفصیلی روایت میں آیا ہے، اس کی تائید ابوسلمہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکورہ بالا تفصیل موجود ہے۔ (سنن ابنِ ماجہ:۳۱۲۲، واحمد:۴۳۲۵۸)

(۲) دوسری بات امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلب بن عبداللہ کا سماع حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا روایت منقطع ہوگی۔ (ترمذی، کتاب الاضحیۃ:۱۵۲۱)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ ایک بکری تمام مسلمانوں کے لیے کافی ہوجائے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کی طرف سے قربانی دی، پھر غیر مقلدین حضرات گھر کے افراد کے ساتھ تخصیص کیوں کرتے ہیں؟ ایک بکری کی قربانی پوری امت کی طرف سے کافی ہوجانی چاہیے؟

(۴) اگر ایک بکرے میں گھر کے کئی افراد کا شریک ہونا درست مان لیا جائے، تو پھر حدیثِ پاک: ''**من وجد سعۃً ولم یضحّ فلایقربنّ مصلانًا**'' کا کیا معنیٰ ومطلب ہوگا؟

(۴) بھینس کی قربانی بھی جائز ہے:

فقہائے امت اور علمائے لغت نے بھینس کو گائے ہی کی ایک قسم شمار کیا ہے، جب گائے کی قربانی جائز اور مشروع ہے تو بھینس کی قربانی بھی جائز و مشروع ہوگی؛ غیر مقلدین حضرات کے اکابر علامہ شوکانی اور مولانا نذیر حسین احمد صاحب دہلوی وغیرہ بھی اِس بات کے قائل ہیں کہ بھینس کی قربانی جائز ہے؛ لیکن چند سالوں سے بعض غیر مقلدین حضرات عیدالاضحیٰ کے موقع پر اس سلسلے میں شدت اختیار کرتے ہوئے امت میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں؛ اِس لیے اس کی وضاحت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ، فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ﴾ (الحج:۲۸)

''ایامِ مقررہ میں مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام ذکر کرکے انہیں ذبح کریں، پھر ان کا گوشت تم بھی کھاؤ، تنگ دستوں اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ''

قرآنِ کریم نے سورۃ الانعام میں ''بہیمۃ الانعام'' کی تفسیر کی ہے:

﴿ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ الخ﴾ (الانعام:۱۴۳)﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ الخ﴾ (الانعام:۱۴۴)

ضان (بھیڑ)، معز (بکری)، ابل (اُونٹ) اور بقر (گائے)، چار جانوروں کا تذکرہ فرمایا اور ان کے مذکر و مؤنث کو ملا کر انہیں ''ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ'' (جوڑوں کے لحاظ سے) آٹھ فرمایا ہے۔

ان چار جانوروں کی قربانی پوری امتِ مسلمہ کے نزدیک اجماعی واتفاقی طور پر مشروع ہے، ان جانوروں کی خواہ کوئی بھی نسل ہو اور اُسے لوگ خواہ کوئی بھی نام دیتے ہوں، اس کی قربانی جائز ہے، مثلاً بھیڑ کی نسل میں دُنبہ ہے، اس کی شکل اور نام اگرچہ بھیڑ سے مختلف بھی ہے؛ لیکن چوں کہ وہ بھیڑ کی نسل اور قسم میں شامل ہے؛ لہٰذا اس کی قربانی مشروع ہے، اسی طرح مختلف ملکوں اور علاقوں میں بھیڑ کی اور بھی بہت سی قسمیں اور نسلیں ہیں جو دوسرے علاقوں والوں کے لیے اجنبی ہیں اور وہ انہیں مختلف نام بھی دیتے ہیں، اس کے باوجود ان سب کی قربانی بھیڑ کی نسل وقسم ہونے کی بنا پر جائز اور مشروع ہے، اِسی طرح اُونٹوں وغیرہ کا معاملہ ہے۔

ابنِ ابی حاتم رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اِس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

عن ليث بن أبي سليم قال: الجاموس، والبختي من الأزواج الثمانية.

(تفسیر ابن ابی حاتم، الانعام:۷۹۹۰)

لیث بن ابوسلیم فرماتے ہیں: بھینس اور بختی (اُونٹ کی ایک قسم) اُن آٹھ جوڑوں میں شامل ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ائمۂ لغت کی آراء:

علامہ ابوالفضل ابنِ منظور افریقی رحمہ اللہ ''لسان العرب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

الجاموس: نوع من البقر، دخيل، وجمعه جواميس، فارسي معرب، وهو بالعجمية كواميش. (لسان العرب:۴۳/۶)

جاموس (بھینس) گائے کی ایک قسم ہے، اِس کی جمع جوامیس ہے، فارسی لفظ گاؤمیش سے عربی میں منتقل کیا گیا ہے۔

ابوالفیض مرتضٰی زبیدی رحمہ اللہ ''تاج العروس'' میں تحریر فرماتے ہیں:

الجاموس: نوع من البقر، معروف، معرب كاوميش، وهي فارسية، ج الجواميس، وقد تكلمت به العرب، وهي جاموسة. خالف هنا قاعدته: وهي بهاء. (تاج العروس:۵۱۳/۱۵)

امام ابومنصور محمد بن احمد ازہری ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اجناس البقر منها الجواميس واحدها جاموس، وهي من انبلها، وأكرمها، وأكثرها البانا، واعظمها أجساما، ومنها الدربانية، وهي التي تنقل عليها الاحمال، ومنها العراب وهي جرد ملس حسان الألوان الكريمة. (الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي:۱۰۱)

گائے کی نلس سے جوامیس (بھینسیں) ہیں، اس کی واحد جاموس ہے، یہ گائے کی بہترین عمدہ ترین قسم ہے، یہ گائے کی اقسام میں سب سے زیادہ دودھ دینے والی اور جسمانی اعتبار سے بڑی بڑی ہوتی ہیں، ایک قسم ''دربانیہ'' (بھینسہ، کٹڑا) ہے جس پر وزنی سامان لادھا جاتا ہے، ایک قسم ''عراب'' ہے جو خوبصورت رنگ والی، چکنی اور بغیر بال والی ہوتی ہیں (ممکن ہے جرسی گائے مراد ہو)۔

فقہائے امت کی آراء:

امام مالک اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

قال ابن مهدي: قال سفيان ومالك: إن الجواميس من البقر.

(المدونة، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم:۳۵۵/۱)

سفیان ثوری اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: بھینس گائے کی جنس سے ہے۔

صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانی حنفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

الأضحية من الإبل والبقر والغنم لأنها عرفت شرعا، ولم تنقل التضحية بغيرها من النبي عليه الصلاة والسلام ولامن الصحابة رضي اللّٰه عنهم..... ويدخل في البقر الجاموس لأنه من جنسه. (الهداية، كتاب الأضحية:٤/٤٤٩)

صرف اُونٹ، گائے اور بکری کی قربانی جائز ہے؛ اِس لیے کہ شریعت میں ان ہی جانوروں کی قربانی مشروع ہوئی ہے، دیگر جانوروں کی قربانی کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے؛ البتہ بھینس گائے میں شامل ہے؛ اِس لیے کہ بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے؛ لہٰذا اس کی قربانی درست ہوگی۔

علامہ محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

شرط المجزء في الأضحية أن يكون من الأنعام وهي الإبل والبقر والغنم سواء في ذٰلک جميع أنواع الإبل من البخاتي والعراب وجميع أنواع البقر من الجواميس والعراب والدربانية وجميع أنواع الغنم من الضأن والمعز وأنواعهما. (شرح المهذب، كتاب الحج، باب الأضحية، وقت الأضحية:٩/٣٠٢)

قربانی کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ قربانی کا جانور چوپایوں میں سے ہو، چوپائے سے مراد اُونٹ، گائے اور بکری ہیں، اُونٹ میں اس کی تمام انواع بختی اُونٹ، عرابی اُونٹ داخل ہیں، گائے میں اس کی تمام انواع شامل ہیں، جس میں بھینس، عراب، دربانیہ شامل ہیں، بکری میں بھیڑ اور بکری اور ان کے دیگر انواع داخل ہیں۔

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

الجواميس كغيرها من البقر لاخلاف في هٰذا نعلمه. وقال ابن المنذر: أجمع كل من يحفظ عنه من أهل العلم علىٰ هٰذا، ولأن الجواميس من أنواع البقر، كما أن البخاتي من أنواع الإبل، فإذا اتفق في المال جواميس وصنف آخر من البقر، أوبخاتي وعراب، أومعز وضأن، كمل نصاب أحدهما بالآخر. (المغني لابن قدامه، كتاب الزكاة، باب صدقةالبقر:٢/٢٣٣، رقم المسئلة:١٧١١)

اہلِ علم کا بھینس کے گائے کی ایک قسم ہونے پر اجماع ہے، اس سلسلے میں ہمارے علم کے مطابق کسی کا اختلاف نہیں ہے، ابنِ منذرؒ فرماتے ہیں: اِس لیے کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے، جس طرح بختی اُونٹ اُونٹ کی ایک قسم ہے، جب زکاۃ کے مال میں بھینس اور گائے، بختی اُونٹ اور عرابی اُوٹ، دنبہ اور بھیڑ جمع ہوجائیں تو ان کو شامل کر کے نصاب کو مکمل کر دیا جائے گا۔

جب زکاۃ کی ادائیگی اور گائے کے نصاب کی تکمیل میں بھینس کو بھی شامل کیا جاتا ہے، تو قربانی میں بھی گائے کی طرح بھینس کی قربانی درست ہوگی۔

الشرط الأوّل وهو متفق عليه بين المذاهب: أن تكون من الأنعام، وهي الإبل عرابا كانت أوبخاتي، والبقرة الأهلية ومنها الجواميس. (الموسوعة الفقهية: ٨١/٥)

سب سے پہلی شرط جو تمام اہلِ مسالک کے درمیان متفق علیہ ہے کہ وہ قربانی کا جانور چوپایوں میں سے ہو، اُونٹ خواہ عرابی ہو، یا بختی اور گائے اسی کے جنس میں سے بھینس ہے۔

فقہ ظاہری کے مشہور امام ابنِ حزم اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مسألة: الجواميس صنف من البقر يضم بعضها إلٰى بعض. (المحلي بالآثار، كتاب الزكاة، زكاة البقر: ٨٩/٤)

بھینس گائے کی ایک قسم ہے، زکاۃ کی ادائیگی میں بھینس کو گائے کے ساتھ ملا کر زکاۃ ادا کی جائے گی۔ (بھینس کو گائے کے ساتھ ملا کر زکاۃ دی جائے، تو گائے کی طرح بھینس کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے)۔

سئل فضيلة الشيخ –رحمه الله–: يختلف الجاموس عن البقر في كثير من الصفات كاختلاف الماعز عن الضأن، وقد فصل الله في سورة الأنعام بين الضأن والماعز، ولم يفصل بين الجاموس والبقر، فهل يدخل في ضمن الأزواج الثمانية فيجوز الأضحية بها أم لايجوز؟

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ سے بھینس کی قربانی کے بارے میں پوچھا گیا کہ بھیڑ اور بکری کا ذکر قرآنِ کریم میں موجود ہے؛ حالاں کہ یہ دونوں ایک ہی نسل سے ہیں، اگر بھینس اور گائے دونوں ایک ہی نوع سے ہوں، تو ان دونوں کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں کیا گیا؟

علامہ عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا:

الجاموس نوع من البقر، والله عزوجل ذكر في القرآن المعروف عند العرب الذين يحرّمون مايريدون، ويبيحون مايريدون، والجاموس ليس معروفًا عند العرب.

بھینس گائے ہی کی نسل سے ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں صرف اُن جانوروں کا ذکر کیا ہے، جو عربوں کے یہاں معروف تھے (دَورِ جاہلیت میں) عرب اپنے پسندیدہ جانوروں کو حلال اور اپنے ناپسندیدہ جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، بھینس تو عربوں کے یہاں معروف نہیں تھی (اس لیے بھینس کا ذکر نہیں ہوا)۔

(مجموع فتاویٰ رسائل محمد بن صالح العثیمین: ۳۴/۲۵)

قارئینِ کرام کی خدمت میں بطور نمونہ محدثین، مفسرین، فقہائے امت اور علمائے لغت کے چند اقوال پیش کیے گئے ہیں، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ بھینس کی قربانی پر تقریباً امت کا اجماع ہے۔

❑❖❑

مقالات ومضامین

اکابر دیوبند کے علوم ومعارف

سلوک وتصوف کی حقیقت و ماہیت

(بزبان: امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ازقلم: مولانا محمد اویس صاحب رشادی، استاذ دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور

رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو چند خاص لوگوں کے مجمع میں جب کہ آپ (امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہی) بوقت چاشت گولر کے نیچے دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کی زبانِ مبارک سے یہ تقریر ظاہر ہوئی جس کو مولوی برکت اللہ صاحب نے اسی وقت قلم بند کرلیا تھا، ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، غورس ملاحظہ فرمائیں، وہ یہ ہے:

''تمام اذکار واشغال ومراقبات وغیرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی حضوری ہر وقت میسر رہے، بعض نے اس حضوری کے بھی دو درجے کردیے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسمِ ذات مخیلہ میں قائم ہوجائے پھر اس سے مسمّٰی کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے۔ یہ جو بزرگوں نے چلّہ وغیرہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا اُس کا بھی مطلب یہی تھا کہ کوئی دوسرا خیال اور نقش مخیلہ پر نہ پڑے، مثلاً باہر نکلو تو گھونگھٹ کرکے نکلو کہ کسی کو دیکھو گے تو اس کی صورت مخیلہ کو مکدر کردے گا۔ جس طرح انسان کو اپنی ہستی کا ہمہ وقت علم ہے کہ ''میں ہوں''، بس ایسا؛ بلکہ یہی علم حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا چاہیے، فرق اتنا ہے کہ اپنے تئیں جسم، صورت، شکل، آنکھ، ناک اور کان کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے، حق تعالیٰ کو بدون اس کے مشاہدہ کرے کہ ''وہ ہے''۔ ؎

دُور بینان بارگاہِ است ❖ غیر ازیں ہے نہ بردہ اند کہ ہست

کہ یہی معنیٰ ہیں اور النهاية راجعة إلى البداية کا یہی مطلب ہے کہ جس طرح نوزائیدہ بچہ جانتا ہے کہ اللہ ہے فقط بس یہی قائم ہوجانا سب کچھ ہے، انسان کسی وقت اپنی ہستی کو بھی بعض مصروفیت میں فراموش کردیتا ہے؛ لیکن یہ فراموش نہایت خفیف اور کالعدم ہے، پہلے بزرگ اخلاقِ سیئہ کو چھڑانے کی محنتیں کرایا کرتے تھے؛ تاکہ یہ کام آسان ہوجائے؛ مگر متاخرین نے خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق ذکر کے نیچے دَب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔

اخلاقِ سیئہ بہت سے ہیں؛ مگر اکثر نے دس میں محصور کردیا ہے، پھر ان دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے کہ اگر یہ دُور ہوجائے تو باقی خود دُور ہوجاتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا اور ایک روز عرض کیا کہ اتنی مدت میں مجھے تو آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا، وشخص اپنی قوم کا سردار اور برادری کا ممتاز تھا، آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے، فرمایا: اچھا ایک کام کرو اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص میرے کو ایک جوتا مارے گا اُس کو ایک اخروٹ دُوں گا اور جو دو مارے گا تو دو دُوں گا، اِسی طرح زیادہ کرتے جاؤ، جب یہ کام کرچکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی ہوجائے تب میرے پاس آؤ، اس شخص نے کہا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، حضرت! یہ کام مجھ سے ہرگز نہ ہوگا، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدق دل سے پڑھ لے تو واللہ! مؤمن ہوجائے؛ مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافر طریقت ہوگیا، جا نکل جا تجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دوسرے کسی بزرگ کا نام لے کر امام ربانیؒ نے فرمایا کہ: ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی، شیخ نے دریافت فرمایا کہ میاں! درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ حضرت! جو نعمت آپ سے ملے گی وہ آپ سے لے کر دوسروں کو پہنچاؤں گا، شیخ نے فرمایا: بس اسی نیت کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی سے پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے، اس بے ہودہ خیال کو دل سے نکال دو اور یوں خیال کرو کہ اللہ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے، پس جو لوگ اس اُمید پر ذکر شغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ ان کی حماقت ہے، ان کی نیت میں فساد ہے، کیسا نفع، کہاں کا اجر، یہ ہستی، یہ جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان، یہ زبان، یہ حواس جو حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں پہلے ان کے شکر یہ سے تو فراغت ہولے تب دوسرے نفع اور اجر کی توقع کرے۔ حافظ زاہد حسن صاحب نے اس موقع پر سوال کیا کہ حضرت! جیسا کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص ہر وقت اللہ کو یاد رکھے تو بس کافی ہے اور کچھ اس کے واسطے ضروری نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: بس فرائض اور سنتِ مؤکدہ اس کے بعد کسی بزرگ کے حوالہ سے فارسی کا یہ جملہ ارشاد فرمایا:

''وایں مقام صلاۃ سری ہست کسی کہ بایں مقام میرسیّد حاجتش بہ نماز ظاہری نیست اما تاہم ہر کہ بایں غرہ یک نماز ہم ترک خواہد کرد مردود ازلی خواہد شد''

اللہ کا ذکر کرنا ہی زندگی کا فائدہ ہے، باقی تمام نقصان ہی نقصان ہے، اگر کسی سے بحضور قلب نہ ہوسکے زبان ہی زبان تک رہے تاہم فائدہ سے خالی نہیں''۔ (تذکرۃ الرشید: ج۲، ص۳۱)

❑❖❑

تحقیقات

ایک نماز قضاء کرنے پر دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال جہنم میں جلنے کا عذاب

از: مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی، ناظم دار العلوم رشیدیہ وصدر دار الافتاء والارشاد حیدرآباد

تبلیغی نصاب یعنی فضائلِ اعمال میں ''مجالس الابرار'' کے حوالے سے ایک حدیث مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص ایک نماز قضا کردے اور بعد میں وہ قضا پڑھ لے، وہ اپنے وقت پر نماز پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا۔ حقب کی مقدار اَسّی (۸۰) سال ہوتی ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ (۳۶۰) دن کے جب کہ قیامت کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا'' یعنی اس حساب سے ایک نماز قضا کرنے والے کو دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال جہنم میں رہنا ہوگا۔ ''**رُوي أنه عليه الصلاة والسلام قال: من ترک الصلاة حتى مضى وقتها ثم قضٰى: عذب في النار حقبا. والحقب: ثمانون سنة، والسنة: ثلاثمائة وستون يوما، كل يوم كان مقداره ألف سنة**''. (مجالس الأبرار، المجلس الحادي والخمسون في بيان فرضية الصلاة بالكتاب والسنة) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''روح البیان'' میں یہی روایت بلاسند اس طرح سے ذکر کی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز کو چھوڑا حتیٰ کہ اس نماز کا وقت نکل گیا، اسے جہنم میں ایک حقب عذاب دیا جائے گا، اور ایک حقب (۸۰) سال کا ہوگا، اور ایک سال تین سو ساٹھ (۳۶۰) دن کا، ہر دن کی مقدار ایک ہزار (۱۰۰۰) سال ہوگی جو تم شمار کرتے ہو یعنی دنیا کے ایک ہزار دن کے برابر۔ ''**قال النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم: من ترک صلاة حتى مضى وقتها عذب في النار حقبا، والحقب ثمانون سنة، كل سنة ثلاث مائه وستون يومًا، كل يوم ألف سنة مماتعدون**''. (فضائل اُعمال، رسالہ: فضائلِ نماز، باب اوّل: ۳۳۰، ط: کتب خانہ فیضی، لاہور)

حکم:

مذکورہ روایت بے اصل، بے بنیاد اور غیر ثابت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے۔

وجہ [۱]:

(۱) امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۵ھ) نے اسے بغیر کسی سند کے نقل فرمایا ہے اور پھر

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی کچھ تشریح بھی درج ذیل الفاظ میں کی ہے:"**یعني ترک الصلاة إلیٰ وقت القضاء إثم، لوعاقب اللّٰہ تعالیٰ بہ یکون جزاء ہ ھٰکذا، ولٰکن اللّٰہ تعالیٰ یتکرم بأن لایجازي بہ إذا تاب عنہ**". (مشكاة الأنوار في لطائف الأخبار من المواعظ والنصائح للغزالي، الباب الخامس والعشرون في بيان عقوبة ترك الصلاة: ۲۰۵، ط: المطبعة الكريمية بلدة قزان، ۱۹۱۱ء)

(۲) شیخ احمد بن محمد الرومی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۴۳ھ) نے اپنی مشہور کتاب "مجالس الابرار" میں بغیر سند وحوالہ کے صیغہ مجہول کے ساتھ یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔

(مجالس الأبرار، المجلس الحادي والخمسون: ۳۹۸، ط: سهيل أكادمي لاهور ۱۴۳۰هـ)

(۳) امام غزالی رحمہ اللہ سے ابوالفداء اسماعیل حقی بن مصطفیٰ حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۲۷ھ) نے اپنی تفسیر "روح البیان" میں دو مقامات پر درج ذیل الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

(روح البیان: ج۱/ص۳۲، ج۲/ص۲۷۶، ط: دارالفکر، بیروت)

(۴) حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) نے بھی اپنے مکتوبات میں اس روایت کو بغیر کسی سند وحوالہ کے نقل فرمایا ہے، حضرت لکھتے ہیں: "ودر اخبار آمدہ است کہ کسے کہ یک نماز فرض بعمد قضا کند یک حقبہ اورا در دوزخ عذاب کنند"۔ روایات میں آتا ہے کہ جس نے ایک فرض نماز جان بوجھ کر قضا کی اُسے ایک حقب دوزخ میں عذاب ہوگا"۔ (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر: ۲۶۶، ص: ۱/۴۸۴، ط: ایچ ایم سعید کراچی)

(۵) تیرہویں صدی ہجری کے شیخ سیّد عبدالاحد النوری حنفی رحمہ اللہ کی "الموعظۃ الحسنۃ" میں بھی یہ روای صاحبِ روح البیان کی طرح امام غزالی رحمہ اللہ کی تشریح کے ساتھ نقل ہوئی ہے؛ البتہ انہوں نے "روح البیان" یا "مشکاۃ الانوار" کا حوالہ ذکر نہیں فرمایا ہے۔ (الموعظۃ الحسنۃ: ص/۱۲۶-۱۲۷، ط: دارالکتب العلمیۃ بیروت) مذکورہ تفصیل کے بعد عرض ہے کہ یہ روایت مندرجہ بالا کتابوں میں بلا سند مروی ہے؛ چوں کہ سند ملی نہیں؛ اِس لیے اس کی تحقیق بھی ممکن نہیں، (اور احادیثِ نبویہ کی اس قدر تحقیق وتخریج اور تمام کتبِ احادیث کے عام اور شائع ہو جانے کے بعد بھی کوئی حدیث میں نہ ملے تو یہ دلیل ہے کہ اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے) خلاصہ یہ ہے کہ سوال میں معتمد کتب حدیث میں درج روایت کی کوئی سند نہیں ملتی؛ لہٰذا جب تک کوئی معتبر سند نہ ملے، اس روایت کو نبی علیہ السلام سے منسوب کر کے بیان کرنے سے احتراز لازم ہے، فقط واللہ اعلم۔

(دارالافتاء: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144311101980)

[۲] دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی تحقیق:

سوال: فضائلِ اعمال سے درج ذیل حدیث کے روات اور اصل سند کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر کسی کی نماز قضا ہو جائے تو اس کو نجات مل سکتی ہے؛ مگر اس کو ایک حقب جہنم میں جلنا پڑے گا وقت پر نماز پڑھنے کی وجہ سے'' ایک حقب اَسّی سال ہوتا ہے اور ہر سال 360 دن کا ہوتا ہے اور ایک دن 1000 سال کے برابر، تو یہ کل 28,800,000 سال ہو گئے۔ براہِ کرم حدیث کے حوالہ کے لیے مجالس الابرار کا حوالہ نہ دیں۔

جواب: کافی تلاش کے باوجود اِس حدیث کی سند نہیں مل سکی۔ خود حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے: ''**لم أجده فيما عندي من كتب الحديث**'' میرے پاس حدیث حدیث کی موجودہ کتابوں میں مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند جواب نمبر: Fatwa ID: U-1436/H=7/641-64458845)

دارالافتاء کا ایک دوسرا فتویٰ بھی ہے کہ: **سوال:** میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ اگر کسی کی ایک نماز چھوٹ جائے تو اسے نارِ جہنم میں ایک حقب رہنا پڑے گا جو اسی سال کی مدت ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ (۲) کیا آپ صحیح حدیث مع ترجمہ بتا سکتے ہیں جس میں یہ مذکور ہو کہ اگر کسی کی نماز چھوٹ جائے تو اسے کتنی مدت تک جہنم میں رہنا پڑے گا؟

جواب (۱-۲): فضائلِ اعمال میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کی ایک روایت ''مجالس الابرار'' کے حوالے سے ذکر کی ہے، الفاظ اِس طرح ہیں: ''**من ترك الصلاة حتى مضى وقتها ثم قضى، عُذّب في النار حُقُبًا، والحقب ثمانون سنة والسنة ثلاثمائة وستون يومًا كل يوم كان مقداره ألف سنة كذا في مجالس الأبرار**''. اور آگے حضرت شیخ نے لکھا ہے: ''**قلت لم أجده فيما عندي من كتب الحديث إلا أن مجالس الأبرار مدحه شيخ مشايخنا الشاه عبدالعزيز الدهلوي رحمه الله**''. یعنی میرے پاس موجود کتب حدیث میں یہ روایت مجھے نہیں ملی؛ مگر یہ کہ ہمارے شیخ المشائخ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے مجالس الابرار کی تعریف کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 21746، فتویٰ (م): 628=628-5/1431)

دارالافتاء نے تیسرے فتویٰ میں کہا ہے کہ: ''جی ہاں! مذکورہ مضمون حدیث سے ثابت ہے، حضرت شیخ

الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے ''فضائلِ اعمال'' ص/۳۹۲ پر مجالس الابرار کے حوالے سے اس مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے اور اس کی تشریح بھی کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر:163696)

نوٹ: دوسرے فتویٰ میں روایت کا حوالہ دیا گیا؛ مگر پہلے جزئیہ کا جواب کہ ''کیا یہ حدیث صحیح ہے؟'' جواب نہیں دیا گیا، یعنی سکوت سے حدیث کی صحت یا ضعف ثابت نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا مذکورہ جواب صحتِ حدیث نہیں؛ بلکہ ثبوتِ حدیث کے لیے بھی ناکافی ہے، تیسرے فتویٰ میں مضمون حدیث کے ثبوت کے لیے کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ نہیں ہے؛ بلکہ اسی کتاب کا حوالہ ہے جو محل بحث ہے؛ اِس لیے فتویٰ سے بھی روایت کا ثبوت یا صحت درست نہیں۔

[۳]: ''مجالس الابرار'' میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے کوئی حوالہ ذکر نہیں فرمایا کہ انھوں نے کس کتاب سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے؟ اِسی طرح مصنّف نے اس روایت کی کوئی سند بھی بیان نہیں فرمائی؛ تاکہ اس کی تحقیق کی جاسکے؛ بلکہ اس روایت کو ''رُوي''، جیسے مجہول صیغے کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، جس کی حقیقت اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں؛ اِس لیے جب تک کوئی معتبر حوالہ نہ ہو تو محض اس کتاب ''مجالس الابرار'' پر اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث کو درست اور ثابت نہیں مانا جاسکتا۔

[۴]: مفتی طارق امیر خان صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ: ''تلاشِ بسیار کے باوجود مذکورہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ سنداً تاحال ہمیں نہیں ملی، اور جب تک اس کی کوئی معتبر سند نہ ملے اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے بیان کرنا موقوف رکھا جائیڈ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب صرف ایسا کلام وواقعہ ہی منسوب کیا جاسکتا ہے جو معتبر سند سے ثابت ہو، واللہ اعلم''۔

(غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ)

[۵]: مفتی مبین الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ: ''یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں؛ بلکہ قرآن وسنت کے عام اُصول کی روشنی میں بھی یہ روایت محل نظر معلوم ہوتی ہے؛ اِس لیے اس کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا اور اس کی تشہیر کرنا درست نہیں۔ جہاں تک جان بوجھ کر نماز چھوڑنے کا معاملہ ہے تو قرآن وسنت میں اس سے متعلق سنگین سے سنگین اور سخت سے سخت وعیدیں موجود ہیں جو کہ ایک مسلمان کی تنبیہ کے لیے کافی ہیں، ان کے پیشِ نظر کوئی مسلمان جان بوجھ کر نماز ترک کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کا عادی بنائے''۔

کیا مذکورہ روایت کی تائید ممکن ہے؟

(۱) آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند نے مذکورہ سوال کا جواب دینے کے بعد تائیداً یہ بات بھی اپنے فتویٰ میں لکھی ہے کہ: ''لیکن چونکہ جمہور محدثین کے نزدیک فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو معتبر ہے؛ چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف في فضائل الأعمال**''. (الأجوبة الفاضلة نقلًا عن الأربعين:٤٣)

(۲) نیز اس حدیث کے مؤیدات موجود ہیں؛ چناں چہ خود حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بطور تائید تفسیر ابنِ کثیر سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ: جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، جو امتِ محمدیہ کے ریاکاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ''**عن ابن عباس عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: إن في جهنم لوديًا تستعيذ جهنم من ذٰلک الوادي في كل يوم أربعمائة مرة مرة أعد ذٰلک الوادي للمرائين من أمة محمد صلّى اللّٰه عليه وسلم الحديث**''. (تفسیر ابنِ کثیر:۵۴۸/۶) اس کے بعد ''قرۃ العیون'' سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے: ''**وهو مسكن من يؤخر الصلاة عن وقتها**''. یہی مضمون حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا گیا ہے؛ مگر بیہقی اور حاکم نے اس کا موقوف ہونا صحیح قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابنِ کثیر:۵۴۹۶) پس ان تمام باتوں کے پیشِ نظر ترہیب کے مقصد سے اس حدیث کا نقل کرنا صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر:U-1436/H=7/641-644:Farwa ID)

مگر دارالافتاء: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن نے اپنی تحقیق میں یہ کہا ہے کہ: ''نیز ذخیرہ احادیث میں اس روایت کی ایسی مؤیدات بھی نہیں ملیں کہ جن کی بنیاد پر روایت کے معنیٰ کو درست قرار دیا جاسکے۔ بعض اہلِ علم نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی جانب سے اس روایت کے وضاحتی کلمات میں تفسیر ابنِ کثیر سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ: جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، جو امتِ محمدیہ کے ریاکاروں کے لیے تیار کی گئی ہے: ''**عن ابن عباس عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: إن في جهنم لواديًا تستعيذ جهنم من ذٰلک الوادي في كل يوم أربع مائة مرة، أعد ذٰلک الوادي للمرائين من أمة محمد صلّى اللّٰه عليه وسلم**''. اور اس کے بعد قرۃ العیون سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ: ''**وهو مسكن من يؤخر الصلاة عن وقتها**'' اور ان دونوں روایتوں کو مذکورہ (دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال آگ میں

جلنے کی) روایت کا مؤید قرار دیا ہے؛ لیکن بظاہر یہ دونوں روایتیں مؤید نہیں بن سکتیں؛ کیوں کہ ان دونوں میں ''ایک نماز چھوڑنے پر دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جہنم میں جلنے'' کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ اتنا ذکر ہے کہ نماز مؤخر یعنی قضا کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم کی ایسی وادی ہے، جس سے جہنم خود دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ (دارالافتاء: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144311101980) مذکورہ جواب سے واضح ہوگیا کہ زیرِ بحث روایت کی تائید درست نہیں ہے۔

(۲) دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں یہ بات جو کہی گئی کہ ''چونکہ جمہور محدثین کے نزدیک فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو معتبر ہے'' یہاں محلِ نظر ہے؛ کیوں کہ زیرِ بحث روایت کے ضعف سے متعلق گفتگو ہے ہی نہیں؛ بلکہ اس کا ثبوت ہی ناممکن ہے، ترغیب وترہیب میں ضعیف روایت بیان کی جاسکتی ہے؛ مگر جو روایت ثابت ہی نہیں اسے کیسے بیان کی جاسکتی ہے؟ اُصول اپنی جگہ صحیح ہے؛ مگر یہاں زیرِ بحث روایت میں یہ اُصول منطبق نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

کتاب ''مجالس الابرار'' کا تعارف:

''مجالس الابرار'' نامی کتاب اور اس کے مصنف حضرت شیخ احمد بن محمد الرومی الحنفی رحمہ اللہ کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سمیت مختلف علماء نے تعریف وتوصیف کی ہے۔ مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے اہتمام سے اس کتاب کا ''نفائس الأزهار'' کے نام سے ترجمہ بھی شائع ہوا ہے، جس کے آغاز میں مفتی کفایت اللہ صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے درج ذیل تعریفی کلمات کا ترجمہ بھی ذکر فرمایا ہے۔ مجالس الابرار کے مقدمہ میں ہے: ''سراج الہند، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی توصیف وتحسین فرمائی ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں: کتاب ''مجالس الابرار'' علمِ وعظ ونصیحت میں اسرارِ شریعت وابوابِ فقہ وردِ بدعات وعاداتِ شنیعہ کے فوائدِ کثیرہ پر مشتمل ہے۔ ہمیں اس کے مصنّف کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں جتنا کہ اس تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے مصنّف ایک عالم متدین، متورع اور علومِ شرعیہ کے فنونِ مختلفہ پر حاوی تھے۔'' **وقد وصف هٰذا الكتاب وتحسنه سراج الهند الشيخ المحدث الإمام الشريف عبدالعزيز الدهلوي المتوفى ۱۲۳۹ هـ حيث قال: تاب مجالس الأبرار في علم الوعظ والنصيحة يتضمن فوائد كثيرة من باب أسرار الشرائع ومن أبواب الفقه ومن أبواب السلوك ومن أبواب رد البدع والعادات الشنية، لاعلم لنا بحال مصنّفه إلا مايكشف عنه هٰذا التصنيف من تدينه وتورعه وتفننه في العلوم الشرعية**'' لیکن چونکہ

''مجالس الابرار'' میں بھی ذکر کردہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں نہیں مل سکی؛ نیز خود مجالس الابرار میں بھی ''رُوِي'' مجہول کے صیغے کے ساتھ یہ روایت نقل کی گئی ہے جو کہ ضعف کی طرف اشارہ ہے اور کوئی سند بھی مذکور نہیں ہے؛ لہٰذا مجالس الابرار میں ذکر کردہ روایت کو حدیث کہہ کر بیان کرنا درست نہیں، اِس سے اجتناب کیا جائے، واللہ اعلم بالصواب۔ (فتویٰ نمبر:4615)

مفتی مبین الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں: ''یہ مجموعی اعتبار سے نہایت ہی جلیل القدر کتاب ہے، جس کی سطر سطر سے سنت کی محبت اور بدعات سے نفرت ٹپکتی ہے، اس میں شریعت کے احکام نہایت ہی واضح انداز سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ مصنّف رحمہ اللہ نے اس کتاب کو سو (۱۰۰) مجالس میں تقسیم کیا ہے اور ہر مجلس کی بنیاد احادیث پر رکھی ہے۔ اس کتاب کو اُردو قالب میں ڈالنے اور اسے شائع کرانے میں مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے خصوصی دلچسپی ظاہر فرمائی۔

کتاب اور اس کے مصنّف سے متعلق مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''مجالس الابرار'' کے مصنّف نے غایتِ اخلاص وتواضع کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں فرمایا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ مصنّف رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہو جائیں؛ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ (اس کے بعد مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کے بارے میں شیخ المشائخ حجۃ الخلف عالم ربانی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تعریف ذکر فرمائی ہے کہ:) کتاب ''مجالس الابرار'' علم ووعظ ونصیحت میں اسرارِ شریعت وابوابِ فقہ وابوابِ سلوک، وردِّ بدعات وعاداتِ شنیعہ کے فوائدِ کثیرہ پر شامل ہے۔ ہمیں اس کے مصنف کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں، جتنا کہ اس تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ اس کا مصنف ایک متدین، متورّع اور علومِ شرعیہ کے فنونِ مختلفہ پر حاوی تھا''۔ (پچیس روایات کی تحقیق:۸)

حضرت شیخ نے کتاب پر کیوں اعتماد کیا؟

یعنی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کتبِ احادیث میں روایت نہ ملنے کے باوجود اپنے شیخ المشائخ کی جانب سے کتاب کی تعریف کرنے کی بنیاد پر روایت کو اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، کتاب کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تعریفی کلمات میں صاحبِ مجالس الابرار کے ورع، دینداری اور علومِ شریعت میں ان کی مہارت ذکر کی گئی ہے، جس پر اعتماد کرتے ہوئے شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے روایت کو اُن ہی کے حوالہ سے ذکر کرنے کو مناسب جانا ہے، شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تعریفی کلمات ملاحظہ فرمائیے: کتاب ''مجالس الابرار'' علمِ وعظ ونصیحت میں، اسرارِ شریعت، وابوابِ فقہ اور رد بدعات وعاداتِ شنیعہ کے ابواب میں

فوائدِ کثیرہ پر مشتمل ہے، ہمیں اس کے مصنف کے بارے میں اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہوسکا جتنا کہ اس تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے، وہ یہ کہ اس کے مصنف ایک عالم متدین، متورع اور علومِ شرعیہ کے فنونِ مختلفہ پر حاوی تھے۔ **"كتاب مجالس الأبرار في علم الوعظ والنصيحة يتضمن فوائد كثيرة من باب أسرار الشرائع، ومن أبواب الفقه، ومن أبواب السلوك، ومن أبواب رد البدع والعادات الشنيعة، لاعلم لنا بحال مصنفه إلا مايكشف عنه هذا التصنيف من تدينه وتورعه وتفننه في العلوم الشريعة"**. (كما ذكره الشيخ محمد عبدالمجيد في خاتمة الطبع، وهكذا ذكره إلياس سركيس في معجم المطبوعات العربية: (٣٨٨/١) نقلًا عن مقدمة مجلس الأبرار للشيخ إرشاد الحق الأثري: (ص/٤)، ط: سهيل أماني لاهور، ١٤٣٠هـ)

مجالسِ ابرار پر اعتماد کرنے کا الزام:

شیخ احمد بن محمد الرومی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۴۳ھ) کی "مجالس الابرار" پر محض ہمارے اکابر کے یہاں ہی اعتماد نہیں تھا؛ بلکہ کبار علمائے اہلِ حدیث مثلاً: محدث شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ، نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ، محدث بشیر سہسوانی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اس کتاب پر اعتماد کیا اور اس سے استفادہ کیا ہے، معروف اہلِ حدیث عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہٗ اللہ نے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ مجالس الابرار کے طبع شدہ نسخہ کے مقدمہ میں اس کا وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے: **وكذا اعتمد عليه واستفاد منه الشيخ الإمام المحدث شمس الحق عظيم آبادي في العون المعبود** (١٨٠/٤)، **وكذا اعتمد عليه واستفاد منه ترجمان السنة الشيخ الإمام صديق حسن خان في يقظة أولى الاعتبار**. (ص/ ١٩١-٢٠٣)، **وكذا الشيخ المحدث الإمام محمد بشير السهسواني في صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان**. (ص/ ٢٣٠) **إلا أنه سماه: مُلّا سعد الرومي، والله أعلم**.

(مقدمة مجالس الأبرار للشيخ إرشاد الحق الأثري: ص/٤، ط: سهيل أكادمي لاهور، ١٤٣٠هـ)

روایت ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی وضاحت اور تنبیہ:

مفتی مبین الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ: "فضائلِ اعمال" میں زیرِ بحث روایت ذکر کرنے کے بعد حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے عربی عبارت میں یہ وضاحت اور تنبیہ فرمائی ہے کہ: "یہ روایت "مجالس الابرار" سے لی گئی ہے؛ لیکن میرے پاس جو حدیث کی کتب موجود ہیں اُن میں مجھے یہ حدیث نہ مل سکی؛ البتہ اتنا ہے کہ ہمارے شیخ

المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''مجالس الابرار'' نامی کتاب کی تعریف فرمائی ہے''۔

اس وضاحت اور تنبیہ سے یہ بات بخوب معلوم ہوجاتی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ جیسے عظیم الشان محدث کو احادیث کی جتنی کتب میسر تھیں اُن میں ان کو یہ حدیث نہ مل سکی؛ بلکہ انھوں نے ''مجالس الابرار'' پر اعتماد کرتے ہوئے وہیں سے نقل فرمائی ہے۔ اور مجالس الابرار پر اعتماد کرنے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ: ''ہمارے شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''مجالس الابرار'' نامی کتاب کی تعریف فرمائی ہے''۔ گویا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تعریف کی بنا پر انھوں نے اس کتاب پر اعتماد کیا اور اس سے یہ روایت نقل فرمائی۔ اور ''مجالس الابرار'' پر اعتماد کرنے کے لیے جہاں شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ جیسی عظیم ہستی کی تعریف اور تصدیق کافی تھی، وہاں کتاب کی ذاتی جلالتِ شان کا بھی کسی حد تک تقاضا تھا؛ کیوں کہ کتاب مجموعی اعتبار سے نہایت ہی احتیاط سے لکھی گئی ہے۔ یوں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے نہایت ہی دیانت کے ساتھ اہلِ علم کے لیے یہ واضح فرمادیا کہ مجھے تو اپنے پاس موجود احادیث کی کتب میں یہ حدیث نہ مل سکی؛ بلکہ میں نے ''مجالس الابرار'' پر اعتماد کرکے روایت ذکر کردی ہے، گویا کہ مزید تحقیق آپ حضرات کو لیں کہ یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؛ چنانچہ بعض اہلِ علم نے بھی اپنے طور پر اس حدیث کی تحقیق فرمائی؛ لیکن انھیں بھی یہ روایت معتبر ذرائع سے دستیاب نہ ہوسکی، بطورِ مثال دیکھیے: ماہنامہ ''التبلیغ'' راولپنڈی: ج ۱۴/، شمارہ ۵ تا ۹ میں حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دام ظلہم کی تحقیق۔ بندہ نے بھی یہ تحریر لکھتے ہوئے ہزاروں کتب پر مشتمل بعض ڈیجیٹل لائبریریوں کے ذریعے اس کی تحقیق کی؛ لیکن کسی بھی معتبر ذرائع سے یہ روایت سامنے نہ آسکی''۔ (پچیس روایات کی تحقیق: ۱۱)

یہ روایت ثابت نہ ہونے کے باوجود ''فضائلِ اعمال'' میں کیوں ذکر کی گئی؟

بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب حدیث ثابت نہیں ہے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ جیسے عظیم الشان محدث نے ''فضائلِ اعمال'' میں یہ ذکر کیوں فرمائی؟

پہلا جواب: یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے سامنے اس روایت کا ثابت نہ ہونا واضح نہ ہوسکا؛ کیوں کہ اگر ان کو یہ تحقیق ہوجاتی کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں ہے تو وہ اس کو ہرگز ذکر نہ فرماتے۔ اور یہ تو علمی دنیا سے وابستہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے محدثینِ کرام کے سامنے بسا اوقات کسی حدیث کا موضوع ہونا اور ثابت نہ ہونا واضح نہیں ہوتا؛ اِس لیے وہ اس حدیث کو کسی خاص وجہ کے تحت ذکر فرمادیتے ہیں، آج تک کسی نے بھی ان ائمہ حدیث پر یہ طعن نہیں کیا کہ- معاذ اللہ- یہ احادیث گھڑنے والے ہیں۔

دوسرا جواب: ماقبل میں ''روایت ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی وضاحت اور تنبیہ'' کے عنوان کے تحت تفصیل سے بیان ہو چکا جو کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ جیسی عظیم ہستی کی طرف سے عذر کے طور پر قبول کرنے کے لیے کافی ہوگا کہ حضرت نے ''مجالس الابرار'' پر اعتماد فرمایا اور اعتماد کرنے کی وجہ بھی تفصیل سے مذکور ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ذکر فرما کر اس کو یوں ہی رہنے نہ دیا؛ بلکہ ساتھ میں اہلِ علم کے لیے عربی میں وضاحتی عبارت بھی تحریر فرمادی، گویا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ذمہ بَری کر دیا کہ ایک تو یہ فرمادیا کہ میرے پاس جو حدیث کی کتب موجود ہیں اُن میں مجھے یہ حدیث نہ مل سکی، اور دوسری صراحت یہ فرمادی کہ یہ حدیث ''مجالس الابرار'' سے لی ہے؛ کیوں کہ ہمارے شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مجالس الابرار'' نامی کتاب کی تعریف فرمائی ہے۔ یہ اہلِ علم کی شان ہوتی ہے کہ وہ بات واضح کر دیتے ہیں؛ اِس لیے فضائلِ اعمال میں اس روایت کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان دو باتوں کی وضاحت اور صراحت کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذمہ کافی حد تک بَری ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے ذکر کرنے میں حضرت نے اس اعتماد اور صراحت کو کافی سمجھا ہے۔

اگر فضائلِ اعمال اور اس کے مصنف غیر معتبر ہیں تو مجالس الابرار اور اس کے مصنف کو کیا کہو گے؟

اس تمام صورتِ حال میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض حضرات اس روایت کی وجہ سے جو پروپیگنڈہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ اور ''فضائلِ اعمال'' کے خلاف کرتے ہیں تو وہ ''مجالس الابرار'' اور اس کے مصنف سے متعلق کیا رویہ اپنائیں گے جن کا حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حوالہ دیا ہے؟ حالاں کہ مجالس الابرار کے مصنف امت کے اہلِ علم میں سے ہیں، جن کا ذکر حاجی خلیفہ رحمہ اللہ نے ''کشف الظنون'' میں بھی کیا ہے: ''**جالس الأبرار ومسالک الأخیار: هو علىٰ مائة مجلس في شرح مائة حدیث من أحادیث: المصابیح، للشیخ أحمد الرومي أوله: الحمد للّٰه الذي رفع أقدار العلماء بمقدر معرفة کتابه.....الخ**''. (پچیس روایات کی تحقیق:۱۳)

تمام ذخیرۂ حدیث کا کیا کرو گے؟

مذکورہ جوابات یقیناً حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کافی ہوں گے؛ لیکن اگر کوئی

شخص ان جوابات کو تسلیم نہ کرنے پر اصرار کرے تو اُس کے لیے عرض یہ ہے کہ اس بات سے تو اہلِ علم بخوبی واقف ہیں کہ امت کے جلیل القدر ائمہ حدیث کی متعدد مشہور اور مستند کتب میں بھی بعض شدید ضعیف احادیث حتیٰ کہ موضوع اور بے اصل احادیث بھی موجود ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بھی امت نے کبھی ان ائمہ کے خلاف پروپیگنڈہ نہیں کیا، ان کو بدنام نہیں کیا، ان کی عظمت کا انکار نہیں کیا، ان کو- معاذ اللہ- احادیث گھڑنے والا قرار نہیں دیا، اور نہ ہی ان کتب کو مسترد کیا ہے؛ بلکہ اس حدیث کا حکم واضح فرمادیا۔ جیسا کہ صحاحِ ستہ کی مشہور کتاب ''سنن ابنِ ماجہ'' کی موضوع احادیث سے متعلق حضرت علامہ عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کی کتاب ''الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن'' کا مطالعہ نہایت ہی مفید ہے؛ اس لیے بشری تقاضے کے مطابق اور قابلِ اطمینان وجوہات کی بنیاد پر امت کے بڑے بڑے ائمہ اہلِ علم سے ایسے اُمور صادر ہوجانا کوئی بعید نہیں، یہی حال حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ امت کے جلیل القدر محدثین میں شمار ہوتے ہیں، جس کا اعتراف عرب وعجم کے اکابر اہلِ علم نے بھی کیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ، خشیتِ الٰہی، اتباعِ سنت، علم وعمل کی پختگی، دینی علوم میں کمال، خلوص وللّٰہیت، علمی قدر ومنزلت، جلالتِ شان، احادیثِ مبارکہ سے عشق اور دیگر اوصافِ عالیہ ایک مسلّم حقیقت ہیں، ان کی دینی خدمات نہایت ہی وسیع اور عالمگیر ہیں؛ اِس لیے ایسی بعض باتوں کی وجہ سے نہ تو حضرت کی شان میں کوئی فرق آسکتا ہے اور نہ ہی حضرت کی عظمت متاثر ہوتی ہے، انھوں نے حدیث کی جو جلیل القدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔

ماقبل کی تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ ایسی بعض باتوں کی وجہ سے ''فضائلِ اعمال'' کو مسترد کردینا یا اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا بھی انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ ''فضائلِ اعمال'' کی اہمیت اور تاثیر ایک واضح حقیقت ہے، یہ امتِ مسلمہ کی ان مایہ ناز کتب میں سے ہے جنھوں نے امت کے ایک بڑے طبق میں دینی انقلاب برپا کیا ہے۔ (پچیس روایات کی تحقیق: ۱۴، مفتی مبین الرحمٰن صاحب مدظلہٗ فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

تنبیہ:

(۱) یاد رکھیے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائلِ نماز'' میں نماز ترک کرنے سے متعلق قرآن وسنت سے متعدد وعیدیں بیان فرمائی ہیں، صحیح احادیث بھی ذکر فرمائی ہیں؛ اِس لیے اس حُقب والی حدیث کو ثابت نہ ماننے سے ''فضائلِ اعمال'' کی اہمیت اور افادیت پر اثر نہیں پڑتا۔ (پچیس روایات کی تحقیق: ۱۵)

(۲) فرض نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنا گناہِ کبیرہ اور حرام ہے، احادیث میں اس کی بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نماز کو جان بوجھ کر مت چھوڑو؛ کیوں کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز کو چھوڑتا ہے اللہ اور اُس کا رسول اُس کے ذمہ سے بَری ہیں۔ "**عن مكحول، عن أمّ أيمن أن رسول الله صلّى الله عليه وسلم قال: لاتترک الصلاة متعمدا، فإنه من ترک الصلاة متعمدا فقد برئت منه ذمة الله ورسوله**". حافظ نورالدین ہیثمی "مجمع الزوائد" میں مذکورہ روایت کے متعلق لکھتے ہیں: اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور اس کے رجال؛ صحیح کے رجال ہیں؛ لیکن مکحول (سند میں موجود راوی) کا اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں ہے، واللہ اعلم۔ "**رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح إلا أن مكحولا لم يسمع من أم أيمن، والله أعلم**".

(۳) مذکورہ روایت ثابت نہیں ہے؛ البتہ حقب کی مستقل تفسیر بعض موقوف روایات میں موجود ہے، جیسا کہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں ایک صحیح روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً تخریج کی ہے، جس میں آیتِ شریفہ: ﴿لٰبِثِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا﴾ (النباء:۲۳) کے تحت لکھا ہے کہ ایک حقب اَسّی برس کا ہوتا ہے۔